فہرست

شذرات	لیلۃ القدر	منظور الحسن	۲
قرآنیات	البقرہ (۲: ۲۲۸-۲۲۹)	جاوید احمد غامدی	۷
معارفِ نبوی	اجزاے ایمان	زاویۂ فراہی	۱۱
	عذاب دنیوی۔ اہل قدر کے ساتھ عدم تعلق	طالب محسن	۱۴
دین و دانش	قانون معاشرت (۱۵)	جاوید احمد غامدی	۲۱
حالات و وقائع	سیرت النبی (۲)	محمد اسلم نجمی	۲۵
	مسئلۂ افغانستان (۲)	سلیم صافی	۳۱
اصلاح و دعوت	متفرق مضامین	محمد اسلم نجمی، وسیم اختر مفتی، صدیق شاہ بخاری	۵۳
تبصرۂ کتب	''سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک''	ریحان احمد یوسفی	۵۷
ادبیات	غزل	جاوید احمد غامدی	۶۳
اشاریہ	ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۰۲ء	معظم صفدر	۶۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لیلۃ القدر

اللہ تعالیٰ نے نظام زندگی کو شام وسحر، روز وشب اور ماہ وسال کے اعتبار سے تشکیل دیا ہے۔ یہ نظام اس کی عظیم حکمت کا آئینہ دار ہے۔ جہاں اس نے انسانوں کو ان اعتبارات کے لحاظ سے زندگی بسر کرنے کا شعور دیا ہے، وہاں اپنی قدرت، اپنی رحمت اور اپنی برکت کو اس دنیا سے متعلق کرنے کے لیے بھی انھی کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ اس نے لازمی عبادات کے خاص اوقات اور خاص ایام مقرر کیے ہیں اور بعض موقعوں کو اپنی عنایتوں کے حوالے سے نہایت اہم قرار دیا ہے۔ انھی میں سے ایک موقع ماہ رمضان اور اس کے اندر لیلۃ القدر ہے۔ لیلۃ القدر کو قرآن مجید نے مبارک رات سے تعبیر کیا ہے۔ اس رات کی برکت وفضیلت کے حوالے سے جو باتیں قرآن وحدیث سے معلوم ہوتی ہیں، ان کا خلاصہ ہم یہاں بیان کر دیتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن مجید کا نزول

قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔'' (القدر ۹۷:۱)

سورۂ دخان میں فرمایا ہے:

''ہم نے اس (قرآن) کو ایک نہایت مبارک رات میں اتارا ہے۔'' (۴۴:۳)

قرآن کے نزول سے اس رات کی نسبت معمولی بات نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کے پروردگار نے انسانوں کو ابدی رہنمائی سے فیض یاب کرنے کے لیے اس رات کا انتخاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا تھا کہ اس کا کلام نہایت محفوظ طریقے سے انسانوں تک پہنچے۔ چنانچہ اس نے ہر لحاظ سے اس کی حفاظت کا بندوبست فرمایا۔ اس ضمن میں اس نے آسمان سے زمین تک وہ تمام راستے مسدود کر دیے جن سے شیاطین دراندازی کر سکتے تھے۔

بہرحال قرآن مجید کی حفاظت کے اس عظیم انتظام کی بنا پر انسانوں کو قرآن جیسی عظیم نعمت ملنے کے ساتھ ساتھ یہ موقع بھی میسر آیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو شیاطین کی تاخت سے بچتے ہوئے اپنے پروردگار کے بے پایاں التفات سے فیض یاب ہوں اور

جنت میں اپنے مقام کو محفوظ کر لیں۔

امور دنیا کی تقدیر و تقسیم

قرآن مجید نے اس رات کو لیلۃ القدر سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد فیصلوں والی رات ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس موقع پر امور دنیا کے بارے میں اپنے فیصلوں کو متعین فرماتے اور ان کی روشنی میں کارکنان قضا و قدر کو ذمہ داریاں تفویض کرتے ہیں۔ سورۂ دخان میں ارشاد فرمایا ہے:

''اس رات میں تمام پرحکمت امور کی تقسیم ہوتی ہے، خاص ہمارے حکم سے۔'' (۴۴:۴)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''اس کی یہ عظمت و برکت اس وجہ سے ہے کہ اس میں کائنات سے متعلق بڑے بڑے فیصلے ہوتے ہیں۔ جب اس دنیا کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے وہ دن بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں جن میں وہ اپنے سال بھر کے منصوبے طے کرتی ہیں تو اس رات کی اہمیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جس میں پوری کائنات کے لیے خدائی پروگرام طے ہوتا اور سارے جہان کا فیصلہ ہوتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۹/۴۶۷)

فرشتوں اور جبریل امین کا نزول بھی اسی پہلو سے ہے۔ فرمایا ہے:

''اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں، ہر معاملے میں، اپنے پروردگار کی اجازت سے۔'' (القدر ۹۷:۴)

مراد یہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے گئے امور کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے اترتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ کے نہایت مقرب فرشتے حضرت جبریل امین بھی زمین پر اترتے ہیں۔

برکت اور سلامتی کی عظیم رات

سورۂ قدر میں اس رات کی عظمت و برکت کو دو پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک پہلو سے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ: ''یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوب اس کی برکتوں اور فیض رسانیوں کی کثرت کو بیان کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے مقصود انسانوں پر یہ واضح کرنا ہے کہ یہ کوئی عام رات نہیں ہے کہ اسے سو کر گزار دیا جائے، بلکہ اگر پروردگار کے التفات اور نظر کرم کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہزار مہینوں کی ہزاروں راتیں بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ہزار مہینوں' ـــــ کی تعبیر بیان کثرت کے لیے ہے اور اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امور مہمہ کی تنفیذ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے جو رحمتیں، برکتیں اور خدا سے قرب کے جو مواقع اس ایک رات میں حاصل ہوتے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہیں، وہ ہزاروں راتوں میں بھی نہیں ہو سکتے۔'' (البیان ۲۱۵)

دوسرے پہلو سے یہ فرمایا ہے کہ: ''یہ رات سراسر سلامتی ہے، طلوع فجر تک۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے دوران میں اللہ تعالیٰ آفات سماوی کو روک دیتے، شیطانوں کی کارروائیوں پر پابندی لگا دیتے اور انسانوں کے لیے اپنے قرب اور اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ انھی برکات کے پیش نظر قرآن مجید نے اسے لیلۂ مبارکہ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

لیلۃ القدر کا تعین

قرآن مجید اور احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان ہی کی رات ہے، مگر یہ کون سی رات ہے، اس کی تصریح قرآن میں نہیں ہے۔ احادیث سے البتہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ بعض روایتوں میں آخری سات دنوں کی صراحت بھی ہے۔ بعض میں صحابۂ کرام کے حوالے سے اکیسویں، تئیسویں اور ستائیسویں رات کے بارے میں قیاسات نقل ہوئے ہیں، بعض میں اکیسویں، تئیسویں اور پچیسویں رات کا ذکر آیا ہے۔ تاہم اس موضوع کی تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی طاق رات ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس تاریخوں میں۔ یعنی اکیس یا انتیس کو، تئیس یا ستائیس کو یا پچیس کو۔'' (بخاری)

لیلۃ القدر کی متعین تاریخ نہ بتانے کی حکمت بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کے اندر اس رات کو پانے کی جستجو پیدا ہو۔ اس جستجو میں وہ کئی راتیں عبادت میں گزاریں اور اپنے لیے اجر کا سامان پیدا کریں۔

عبادت کا اہتمام

لیلۃ القدر کی اس عظمت و برکت کو جاننے کے بعد یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گناہوں کی بخشش کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں ہے۔ چنانچہ کسی شخص کو بھی اس کی جستجو سے بے گانہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہر صاحب ایمان کو اپنے پروردگار کی بے پایاں نعمتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور دل کی گہرائیوں سے اس کا شکر بجا لانا چاہیے۔ اپنی ضرورتوں اور تمناؤں کو اس کے حضور میں پیش کرنا چاہیے۔ اپنی پریشانیاں اس کے سامنے رکھ کر اس سے صبر کی توفیق طلب کرنی چاہیے اور ان کے تدارک کی درخواست پیش کرنی چاہیے۔ اس موقعے کا بہترین عمل عبادت ہے۔ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں شب و روز کا بیشتر وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ سیدہ عائشہ بیان فرماتی ہیں:

''جب رمضان کی آخری دس تاریخیں آتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ رات رات بھر جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔'' (متفق علیہ)

منظور الحسن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۴۷)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ، وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ ، اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ،

اور (یہ دوسری صورت پیدا ہو جائے تو) جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنے آپ کو تین حیض[۶۰۰] تک انتظار کرائیں[۶۰۱]۔ اور اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو اُن کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ

[۶۰۰] اصل میں لفظ 'قروء' آیا ہے۔ یہ 'قرء' کی جمع ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ جس طرح حیض کے معنی کے لیے آتا ہے، اسی طرح طہر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اس کی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے:

''اس کے اصل مادہ اور اس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے، اس سے ہمارا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں، لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر بھی لازماً لگا ہوا ہے، اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں، جس طرح رات کے لفظ سے اس کے ساتھ لگے ہوئے دن کو یا دن کے لفظ سے اس کے ساتھ لگی ہوئی رات کو۔ اس قسم کے استعمال کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔'' (۱/۵۳۲)

ہم نے اسے حیض کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل مسئلہ ہی یہ متعین کرنے کا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حیض سے ہوتا ہے، نہ کہ طہر سے۔ پھر اس کے لیے توقف کی مدت مقرر کی گئی ہے اور یہ بھی حیض سے

وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ، اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحاً، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ، وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ ﴿۲۲۸﴾

اللہ نے اُن کے پیٹ میں پیدا کیا ہے، اُسے چھپائیں[۶۰۲]۔ اور اُن کے شوہر اگر معاملات کی اصلاح چاہیں[۶۰۳] تو اِس (عدت کے) دوران میں زیادہ حق دار ہیں کہ اُنھیں لوٹا لیں اور (یہ اِس لیے ہے کہ اِس میں تو شبہ نہیں کہ) اِن عورتوں پر دستور کے مطابق جس طرح (شوہروں کے) حقوق ہیں، اُسی طرح اُن کے بھی حقوق ہیں[۶۰۴]، لیکن مردوں کے لیے (شوہر کی حیثیت سے) اُن پر ایک درجہ ترجیح کا ہے[۶۰۵]۔ (یہ اللہ کا حکم ہے) اور اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے[۶۰۶]۔ ۲۲۸

بالکل متعین ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی ابتدا کے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

[۶۰۱] سورۂ طلاق میں جس عدت کے لحاظ سے طلاق دینے کا حکم دیا گیا ہے، یہ قرآن نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ تین حیض ہے۔ عام حالات میں عدت یہی ہے۔ عورت کی بعض دوسری حالتوں کے لحاظ سے اس کے احکام سورۂ طلاق (۶۵) کی آیات ۱۔۷ اور سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۴۹ میں بیان ہوئے ہیں۔

[۶۰۲] عدت کا حکم دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے۔ لہٰذا وہ اگر اپنے پیٹ کی حالت چھپائے گی تو اس سے ان تمام مصالح کو سخت نقصان پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں ملحوظ رکھے ہیں۔

[۶۰۳] شوہر کے لیے رجوع کا جو حق اس آیت میں بیان ہوا ہے، اس پر یہ شرط اس لیے عائد کی گئی ہے کہ رجوع اس ارادے سے نہیں ہونا چاہیے کہ بیوی کو اپنی خواہش کے مطابق اذیت دی جا سکے، بلکہ محبت اور سازگاری کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے ہونا چاہیے۔

[۶۰۴] عورتوں کے ان حقوق و فرائض کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء (۴) کی آیات ۱۹ اور ۳۴ میں فرمائی ہے۔

[۶۰۵] یعنی طلاق سے رجوع کا یہ حق شوہر کو اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ خاندان کا قوام ہے اور قوام کی حیثیت سے خاندان کے نظم کو قائم رکھنے کے لیے یہ حق اسے لازماً حاصل ہونا چاہیے۔

[۶۰۶] اس طرح کے معاملات چونکہ جذبات پر مبنی اقدامات اور افراط و تفریط کے رویوں کا باعث بن سکتے ہیں اور لوگ اس میں چند در چند غلطیوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں، اس لیے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات ـــــ عزیز و حکیم ـــــ کا حوالہ دیا ہے۔ استاذ امام ان کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا ، اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ، تِلْكَ

یہ طلاق (ایک رشتۂ نکاح میں) دو مرتبہ (دی جا سکتی) ہے۔[607] اِس کے بعد پھر بھلے طریقے سے روک لینا ہے یا خوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے۔ اور (رخصت کر دینے کا فیصلہ ہو تو) تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے اِن (عورتوں) کو دیا ہے، اُس میں سے کچھ بھی (اِس موقع پر) واپس لو۔[608] یہ صورت، البتہ مستثنیٰ ہے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ پھر اگر تمھیں بھی اندیشہ ہو کہ وہ حدودِ الٰہی پر قائم نہیں رہ سکتے تو (شوہر کی دی ہوئی) اُن چیزوں کے معاملے میں اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت

"خدا عزیز ہے، اس وجہ سے اسی کو حق ہے کہ وہ حکم دے اور وہ حکیم ہے، اس وجہ سے جو حکم بھی اس نے دیا ہے، وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کریں۔ اگر وہ اس کے احکام کی مخالفت کریں گے تو اس کی غیرت و عزت کو چیلنج کریں گے اور اس کے عذاب کو دعوت دیں گے اور اگر خدا سے زیادہ حکیم اور مصلحت شناس ہونے کے خبط میں مبتلا ہوں گے تو خود اپنے ہاتھوں اپنے قانون اور نظام، سب کا تیا پانچا کر کے رکھ دیں گے۔"

(تدبر قرآن ۱/۵۳۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

[۶۰۷] یعنی یہ طلاق جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور جس میں شوہر اپنا یہ فیصلہ زمانۂ عدت میں واپس لے سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق کے بعد اگر کسی شخص نے رجوع کر لیا ہے اور اس کے بعد بھی نباہ نہیں ہو سکا تو اسی رشتۂ نکاح میں اس کو ایک مرتبہ پھر اسی طرح طلاق دے کر عدت کے دوران میں رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے، لیکن ایک رشتۂ نکاح میں دو مرتبہ اس طرح طلاق اور طلاق سے رجوع کے بعد یہ حق کسی شخص کے لیے باقی نہیں رہتا۔

[۶۰۸] اچھے طریقے سے رخصت کر دینے کی جو ہدایت اس سے پہلے بیان ہوئی ہے، یہ اس کی وضاحت ہے کہ بیوی کو کوئی مال، جائداد، زیورات اور ملبوسات وغیرہ، خواہ کتنی ہی مالیت کے ہوں، اگر تحفے کے طور پر دیے گئے ہیں تو اس موقع پر ان کا واپس لینا شوہر کے لیے جائز نہیں ہے۔ نان نفقہ اور مہر تو عورت کا حق ہے، ان کے واپس لینے یا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ جو چیزیں دی گئی ہوں، ان کے بارے میں بھی قرآن کا حکم ہے کہ وہ ہرگز واپس نہیں لی جا سکتیں۔

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

فدیے میں دے کر طلاق حاصل کر لے۔[۶۰۹] یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں، سو اِن سے آگے نہ بڑھو اور (جان لو کہ) جو اللہ کے حدود سے آگے بڑھتے ہیں، وہی ظالم ہیں۔[۶۱۰] ۲۲۹

---

[۶۰۹] یہ دی ہوئی چیزیں نہ لینے کے حکم سے استثنا ہے کہ میاں بیوی میں اگر حدود الٰہی کے مطابق نباہ ممکن نہ رہے، معاشرے کے ارباب حل و عقد بھی یہی محسوس کریں، لیکن میاں صرف اس لیے طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو کہ اس کے دیے ہوئے اموال بھی ساتھ ہی جائیں گے تو بیوی یہ اموال یا ان کا کچھ حصہ واپس کر کے شوہر سے طلاق لے سکتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال اگر کبھی پیدا ہو جائے تو شوہر کے لیے اسے لینا ممنوع نہیں ہے۔

[۶۱۰] یہ جملہ اوپر کے تمام احکام و ہدایات سے متعلق ہے۔ استاذ امام اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''فرمایا کہ یہ تمھاری ازدواجی زندگی سے متعلق خدا کی حد بندیاں ہیں، جس طرح تم اپنے رقبوں اور اپنی چراگاہوں کے اردگرد حد بندیاں کرتے ہو اور یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان حدوں کو توڑے اور اگر کوئی ان حدود میں مداخلت کرتا ہے تو تم اس کو اپنی ملکیت میں مداخلت اور اپنی عزت و غیرت کے لیے ایک چیلنج سمجھتے ہو، اسی طرح خدا نے بھی اپنے محارم کے اردگرد یہ حدیں قائم کر دی ہیں۔ تم ان سے باہر آزاد ہو، لیکن ان کے اندر تمھیں مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی نے ان حدوں کو توڑنے یا لانگنے کی جسارت کی تو وہ یاد رکھیں کہ وہی لوگ ظالم ہیں۔ یعنی اس کے نتیجے میں جو کچھ اس دنیا میں یا آخرت میں ان کے سامنے آئے گا، اس کی ساری ذمہ داری خود انھیں پر ہے، خدا پر نہیں ہے اور اس سے وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھائیں گے، خدا کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ خدا کے قوانین تمام تر فطرت انسانی کے تقاضوں اور بندوں کے اپنے مصالح پر مبنی ہیں۔ اسی وجہ سے جو لوگ ان کو توڑتے ہیں، وہ اپنی ہی فطرت اور اپنے ہی مصالح کی دھجیاں خود اپنے ہی ہاتھوں بکھیرتے ہیں۔''

(تدبر قرآن ۱/۵۳۶)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اجزاے ایمان

[اس روایت کی ترتیب وتدوین اور شرح ووضاحت جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں زاویۂ فراہی کے رفقا معز امجد، منظور الحسن، محمد اسلم نجمی اور کوکب شہزاد نے کی ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روی[1] انه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الایمان بضع و سبعون[2] شعبة[3]، فافضلها قول لا اله الا اللّٰه وادناها اماطة الاذی[4] عن الطریق۔ والحیاء شعبة من الایمان[5]۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زیادہ اجزا ہیں[1] ۔(اس وقت) ان میں سے افضل اس بات کا اظہار ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے[2] اور ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے[3]۔ اور حیا بھی ایمان ہی کا ایک جز ہے۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ دین کا باطن ایمان ہے۔ یہ جب انسان کے دل میں اتر کر اس کے وجود سے ظاہر ہوتا ہے تو زندگی کے ہر گوشے میں اس کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد شب و روز میں انسان جو عمل بھی کرتا ہے، وہ کسی نہ کسی پہلو سے اس کے

ایمان کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ستر سے زیادہ اجزا سے مراد زندگی کے کثیر التعداد گوشوں میں ایمان کا ظہور پزیر ہونا ہے۔

۲۔اجزاے ایمان میں توحید کا درجہ سب سے افضل ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ دین کا مطلوب توحید کا قلب و روح میں جاگزیں ہونا ہے،مگر بعض موقعوں پر اس کا زبانی اظہار ایمان کا سب سے بڑا مظہر بن جاتا ہے۔اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایسی ہی صورت حال تھی۔کلمۂ توحید کہنا، درحقیقت اپنے لیے قوم کی نفرت خریدنے، اپنا گھر در برباد کرنے، اپنا دھن دولت لٹانے اور بسا اوقات اپنی جان گنوانے کے مترادف تھا۔ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں لا الہ الا اللہ کا قول ایمان کی سب سے افضل علامت قرار پاتا ہے۔

۳۔ایمان کا ہر جز اللہ کے ہاں اجر اور دین میں اہمیت کے لحاظ سے کسی نہ کسی درجے کا حامل ہوتا ہے۔بعض اجزا بلند درجات رکھتے ہیں اور بعض ان کے مقابلے میں کم تر درجے کے حامل ہوتے ہیں۔تاہم،ایمان کا کوئی جز زیادہ اہمیت کا حامل ہو یا کم اہمیت کا،اسے جب صرف اور صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے اختیار کیا جائے تو وہ حقیقی ایمان ہی کا مظہر ہوتا ہے۔

متن کے حواشی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔یہ مسلم کی روایت،رقم ۳۵ ہے۔کچھ اختلاف کے ساتھ یہ حسب ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

بخاری، رقم ۹۔ ابوداؤد، رقم ۴۶۷۶۔ نسائی، رقم ۵۰۰۴، ۵۰۰۵، ۵۰۰۶۔ احمد بن حنبل، رقم ۸۵۷۰،۸۹۹۳، ۹۳۷۱، ۹۳۷۲۔ابن حبان، رقم ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۸۱،۱۹۰، ۱۹۱۔نسائی، سنن الکبریٰ ، رقم ۱۱۷۳۵، ۱۱۷۳۶، ۱۱۷۳۷۔ابن ابی شیبہ، رقم ۲۵۳۳۹، ۲۵۳۴۱،۲۶۳۴۳،۳۰۴۱۶۔عبدالرزاق،رقم ۲۶۳۴۳، ۳۰۴۱۶۔

۲۔مسلم کی روایت،رقم ۳۵ میں راوی اس بارے میں واضح نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'بضع و سبعون ' (ستر سے زائد) فرمایا تھا یا 'بضع و ستون ' (ساٹھ سے زائد)۔بعض دوسری روایتوں میں اعداد کا فرق سامنے آیا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں بیان عدد اپنے لفظی مفہوم میں نہیں، بلکہ بیان کثرت کے لیے ہے۔

۳۔بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل،رقم ۳۹۵۰ میں 'شعبة' (جز) کی جگہ 'بابا' (باب) کا لفظ آیا ہے۔

۴۔بعض روایات،مثلاً احمد بن حنبل،رقم ۳۹۵۰ میں 'الاذی' (تکلیف دہ چیز) کی جگہ 'العظم' (ہڈی) کا لفظ آیا ہے۔

۵۔اسی طرح کی بات اس روایت سے بھی واضح ہوتی ہے:

روی ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مر علی رجل و هو یعاتب اخاه فی الحیاء یقول انك لتستحی حتی کانه	''بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے۔وہ اپنے بھائی کو حیا کے معاملے میں سرزنش کر رہا تھا۔وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ تم

يقول قد اضر بك فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دعه فان الحياء من الايمان ۔ (بخاری، رقم ۵۷۶۷)

اس قدر زیادہ شرم وحیا کا لحاظ کرتے ہو کہ اس کے لیے نقصان تک اٹھا لیتے ہو۔ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس لیے کہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔''

یہ روایت کچھ فرق کے ساتھ ان مقامات پر بھی نقل ہوئی ہے:

موطا، رقم ۱۶۱۱۔ بخاری، رقم ۲۴۔ مسلم، رقم ۳۶۔ ترمذی، رقم ۲۶۱۵۔ ابوداؤد، رقم ۴۷۹۵۔ نسائی، رقم ۵۰۳۳۔ ابن ماجہ، رقم ۵۸۔ احمد بن حنبل، رقم ۴۵۵۴، ۵۱۸۳، ۶۳۴۱۱۔ ابن حبان، رقم ۶۱۰۔ سنن الکبریٰ، رقم ۲۰۷۶۴۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۵۳۴۰۔ ابویعلیٰ، رقم ۵۴۲۴، ۵۵۳۶۔

اس کے بعض طرق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو سرزنش کر رہا تھا، اس کا تعلق انصار سے تھا۔ مثال کے طور پر بخاری، رقم ۲۴ میں یہ روایت 'مر علی رجل من الانصار' (آپ انصار کے ایک شخص کے پاس سے گزرے) کے الفاظ سے شروع ہو رہی ہے۔

مزید براں بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۲۴ میں 'یعاتب' (سرزنش کر رہا تھا) کی جگہ 'یعظ' (نصیحت کر رہا تھا) کا لفظ آیا ہے اور 'انك لتستحيى حتى كانه يقول قد اضر بك' (تم اس قدر زیادہ شرم وحیا کا لحاظ کرتے ہو کہ اس کے لیے نقصان تک اٹھا لیتے ہو) کا جملہ موجود نہیں ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

عذاب دنیوی

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث:۱۰۶۔۱۰۷)

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: یکون فی أمتی خسف و مسخ ۔ وذلك فی المکذبین فی القدر۔

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے (بعض گروہوں کے) لیے زمین میں دھنسا دینے اور شکل بگاڑ دینے کی سزا ہوگی۔ اور یہ معاملہ تقدیر کے منکروں کے ساتھ ہوگا۔''

لغوی مباحث

خسف: 'خسف' کے معنی زمین میں دھنسا دینے کے ہیں۔ شارحین نے اس روایت میں اس کا اطلاق قارون کے لیے اختیار کیے گئے طریقے پر بھی کیا ہے اور 'خسف القمر' کی رعایت سے چہرے اور جسم کا سیاہ ہونا بھی مراد لیا ہے۔ بعض شارحین اسے آخرت سے متعلق کرتے ہیں اور ان کے نزدیک 'یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ' (آل عمران ۳:۱۰۶) کے تحت اس سے اس دن چہرے سیاہ پڑنا مراد ہے۔

مسخ: 'مسخ' کا مطلب صورت بگاڑنا ہے۔ شارحین نے اس کا اطلاق بھی ظاہری جسم کی تبدیلی، دل کی بربادی اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آخرت میں ناکامی پر کیا ہے۔یعنی بعض کے نزدیک اس سے بندر اور سؤر بنانے کے طریقے پر شکل کی تبدیلی مراد ہے۔بعض کے نزدیک دل کا مسخ ہونا مراد ہے۔مطلب یہ کہ دل نور ہدایت سے محروم ہو جائے گا۔اور آخرت میں وہ مسخ کا اطلاق پل صراط سے جہنم میں گرنے پر کرتے ہیں۔

متون

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں نقل ہوئی ہے۔صرف اسی روایت میں یہ تصریح ہے کہ 'خسف اور مسخ' کی سزا منکرین قدر کو دی جائے گی۔

اس روایت کے متون میں کوئی اہم فرق نہیں ہے۔ابن ماجہ کی روایت میں 'خسف' اور 'مسخ' کے ساتھ 'قذف' کا بھی ذکر ہے۔منقولہ بالا روایت میں منکرین قدر کے لیے 'مکذبین فی القدر' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ابن ماجہ میں ان کے لیے صرف 'اھل القدر' کے الفاظ آئے ہیں۔احمد کی روایت میں قدریہ کے ساتھ زندیقیہ کا بھی ذکر ہے۔

خسف و مسخ کے وقوع کے بارے میں کتب حدیث میں ایک اور روایت بھی موجود ہے۔اس روایت کا مضمون ایک دوسری بات بیان کرتا ہے۔ہم یہاں اس روایت کا ایک مفصل متن نقل کر رہے ہیں:

عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یکون فی آخر الأمة خسف ومسخ وقذف. قالت: قلت: یارسول اللّٰه، أنهلك وفینا الصالحون؟ قال: نعم، إذا ظهر الخبث.

(ترمذی، رقم ۲۱۱۱)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسنے، شکلوں کے بگڑنے اور پتھروں کی مار کے واقعات پیش آئیں گے۔کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ سے پوچھا: کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان صالحین موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب برائی غالب ہو جائے گی۔''

اسی مضمون کی حامل ایک اور روایت میں برائی کے غلبے کی مجمل تعبیر کے بجائے گانے والیوں، موسیقی اور شراب نوشی کی مجلسیں عام ہو جائیں گی کے واضح الفاظ آئے ہیں۔

کتب روایت میں اس حوالے سے ایک ایسی روایت بھی منقول ہے جس میں اس امت کے لیے خسف و مسخ کے نہ ہونے کی نوید ہے:

عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ

دعوت الله أن يرفع عن أمتي أربعا ، فرفع عنهم ثنتين وأبى أن يرفع عنهم اثنتين ، دعوت الله أن يرفع عنهم الرجم من السماء والخسف من الأرض وأن لا يلبسهم شيعا ولا يذيق بعضهم بأس بعض ، فرفع الله عنهم الخسف والرجم وأبى أن يرفع الأخريين .

(بحوالہ فتح الباری ۸/۲۹۲)

سے دعا کی کہ وہ ان سے چاروں[1] اٹھا لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو اٹھا لیں اور دو کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان سے آسمان سے سنگ باری اور زمین میں دھنسنا اٹھا لے اور ان کو گروہ در گروہ کر کے آپس میں نہ بڑھا دے اور نہ انھیں ایک دوسرے کے تشدد کا مزا چکھائے۔ (میری دعا کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ نے ان سے خسف اور رجم کو اٹھا لیا اور دوسری دونوں کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔''

معنی

یہ روایت اہل قدر کے دنیوی انجام کو بیان کرتی ہے۔ یہ روایت اسی پہلو سے محل نظر ہے۔ اس معاملے میں ابن قیم رحمہ اللہ کی تنقید بالکل درست ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ وہ گروہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد پیدا ہوئے ہیں، ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی تبصرے کا کوئی محل نہیں ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تقدیر کے یہ منکرین دور صحابہ میں پیدا ہوئے اور انھی کو ان سے واسطہ پڑا۔ چنانچہ کوئی بات اگر ان کے حوالے سے بیان کی جائے تو وہ قابل قبول ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اس طرح کی کوئی بات قرین قیاس نہیں ہے۔

متون کی بحث سے بھی واضح ہے کہ اس معاملے میں روایات میں واضح تضاد ہے۔ ابن عمر سے منسوب روایات اہل قدر کو آسمانی عذاب کا مستحق بناتی ہیں۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی عذاب کے اس طرح کے واقعات قرب قیامت میں پیش آئیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا والی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ عذاب کی یہ دونوں صورتیں اس امت کو پیش ہی نہیں آئیں گی۔ یہ تضاد یہ مسئلہ پیدا کرتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ یا تو ان میں سے کسی ایک بات کو درست قرار دے کر باقی کو نا قابل قبول مان لیا جائے، یا ان کی توجیہ کر کے ان میں موافقت کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔

بعض شارحین نے موافقت کی یہ صورت نکالی ہے کہ خسف و مسخ سے بریت صرف صحابہ تک محدود ہے، بعد کے ادوار میں

---

[1] چاروں سے یہاں سورۂ انعام کی آیت ۶۵ میں بیان کی گئی عذاب کی چار صورتیں ہیں، جن کی تفصیل روایت میں بھی موجود ہے۔

یہ عذاب آ سکتے ہیں۔ روایت کے الفاظ میں اس تحدید کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ چنانچہ روایات کا تضاد اصلاً حل نہیں ہوتا۔

مزید برآں قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کے عذاب رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں پر آئے ہیں۔ تقدیر کا انکار ہو یا اخلاقی برائیوں کا غلبہ محض ان کی وجہ سے کسی قوم پر آسمانی عذاب آنے کی مثال قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی۔ قانون رسالت کی رو سے بھی ایسا صرف مکذبین رسول کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم آپ پر ایمان لے آئی تھی۔ چنانچہ وہ اس طرح کے عذاب سے مامون رہی۔ آپ کے ماننے والے خواہ کیسے ہی گنہ گار ہوں، یقیناً اس طرح کے عذاب سے مامون ہیں۔ یہی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا والی روایت سے بھی واضح ہوتی ہے۔ اوپر بیان کیے گئے نکات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل قدر کے حوالے سے مروی روایت راویوں کی تصنیف ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات ابن عمر نے سخت تبصرے کی صورت میں کہی ہو اور راویوں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیا ہو۔ قرب قیامت کے حوالے سے روایات غالباً احوال قیامت سے متعلق ہیں۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا والی روایت حقائق کے عین مطابق ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ معمول میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر آنے والی مصیبتیں آزمایش اور تنبیہ کے لیے ہوتی ہیں۔ انھیں وہ عذاب یا سزا قرار دینا درست نہیں ہے جو کسی قوم یا جماعت کے استیصال کے لیے آتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کتابیات

ترمذی، رقم ۲۰۷۹، ۲۱۱۱، ۲۱۳۸۔ ابن ماجہ، رقم ۴۰۵۰، ۴۰۵۱۔ احمد، رقم ۶۲۳۵، ۵۹۳۱۔ ابن حبان، رقم ۶۷۵۹۔ المستدرک، رقم ۸۳۷۵۔

اہل قدر کے ساتھ عدم تعلق

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: القدریۃ مجوس ھذہ الأمۃ، إن مرضوا لا تعودوھم، وإن ماتوا لا

فلا تشهدوھم ۔

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو۔‘‘

لغوی مباحث

مجوس : مجوسیت ایران کا قدیم مذہب تھا۔اس کے ماننے والوں کو اہل عرب مجوس کے نام سے موسوم کرتے تھے۔اہل قدر کو مجوس قرار دینے کی وجہ مجوسیت کی ثنویت کے ساتھ مشابہت ہے۔ مجوس نور اور ظلمت کو اصل مانتے تھے اور نور کو خیر کا خالق اور ظلمت کو شر کا خالق قرار دیتے تھے۔اسی طرح قدریہ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرتے تھے۔

لا تشھدوھم:’ شھد‘ کا مطلب ہے حاضر ہونا۔ یہاں اس سے جنازے میں شرکت مراد ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متون

یہ روایت حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی نسبت سے روایت کی گئی ہے۔ کچھ کمی بیشی کے ساتھ ان روایات میں ایک ہی بات بیان ہوئی ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ کی منقولہ بالا روایت میں’القدریة مجوس ھذہ الأمة‘ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملے کا آغاز ہوا ہے۔جبکہ ابن عمر ہی سے منسوب ایک دوسرے متن کے مطابق اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے’لکل أمة مجوس‘ کا قاعدہ بھی بیان فرمایا تھا۔اسی روایت میں اہل قدر کو دجال کے ساتھی بھی قرار دیا گیا ہے۔جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں اسلوب مختلف ہے۔ اس روایت میں ’القدریة مجوس ھذہ الأمة‘ کے بجائے’إن مجوس ھذہ الأمة المکذبون بأقدار اللّٰہ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔اسی طرح ایک روایت میں یہی بات’مجوس أمتی الذین یقولون لا قدر‘ کے الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔اہل قدر سے قطع تعلق کی ہدایت بھی تین طرح سے نقل ہوئی ہے۔ایک متن کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت اور جنازے سے روکا تھا۔جبکہ ایک متن میں یہ بھی ہے کہ جب آمنا سامنا ہو تو سلام بھی نہ کیا جائے۔اسی طرح ایک روایت

میں ’لا تجالسوا أهل القدر و لا تفاتحوهم‘ کے الفاظ میں قطع معاشرت کی تلقین کی گئی ہے۔

معنی

اس روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت بھی اوپر والی روایت کی طرح قبول نہیں کی جا سکتی۔ ایک نقص تو اس میں وہی ہے جسے ہم اوپر والی روایت کے ضمن میں ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بعد میں پیدا ہونے والے کسی گروہ کے بارے میں اس کا نام لے کر اس کی تغلیط کرنا آپ کے عمومی طرز عمل کے خلاف ہے۔ دوسری خرابی اس تلقین میں ہے جو اہل قدر کے بارے میں کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مکہ میں کفار مکہ کے ساتھ اور نہ مدینہ میں یہود و منافقین کے ساتھ اس طرح سماجی مقاطعہ کیا اور نہ صحابہ کو ایسا کرنے کی تلقین کی۔ جب یہ گروہ واضح دشمنی پر اتر آئے تو ان کے خلاف کارروائی ضرور کی گئی اور صحابہ کو بھی ان سے ہمدردی کا تعلق رکھنے سے روک دیا گیا، لیکن یہ معاملہ بھی اسی وقت تک رہا جب دشمنی کی یہ حالت قائم رہی۔ ظاہر ہے، اہل قدر کے ساتھ اس طرح کی کوئی صورت تصور بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ ان کا اختلاف کلامی نوعیت کا ہے اور وہ پوری طرح امت کا حصہ رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ان کے بارے میں کوئی بات کہی ہوتی تو وہ ان کے خیال کی غلطی واضح کرنے کے لیے ہوتی یا ان کی اصلاح کی سعی کے لیے ہوتی۔ جو کچھ اس روایت میں ہے، وہ مخالفین کے غصے کا اظہار ہے، اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ماننا بہت مشکل ہے۔

شارحین نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہ الفاظ محض اہل قدر کی غلطی کی شناعت واضح کرنے کے لیے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ انھیں امت سے کاٹ دیا جائے۔ پیغمبر کا کلام مان کر اس کے ساتھ اس سلوک سے اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے۔

کتابیات

ابوداؤد، رقم ۴۰۷۱۔ احمد، رقم ۵۳۲۷۔ مستدرک، رقم ۲۸۶۔ بیہقی، رقم ۲۰۶۵۸، ۲۰۶۵۹، ۲۰۶۸۸۔ ابن ماجہ، رقم ۹۲۔ مسند البزار، رقم ۲۹۳۷۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

قانون معاشرت

(۱۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یتامیٰ

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ، وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ، اِنَّهٗ
كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا
تَعُوْلُوْا ۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۔
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ، فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ، وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ، وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ، وَمَنْ كَانَ
فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ، فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۔
لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ،
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ، نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ
فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا
خَافُوْا عَلَيْهِمْ، فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا،
اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا، وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۔ (النساء ۴: ۲۔ ۱۰)

''اور یتیموں کا مال ان کے حوالے کردو، نہ اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے بدلو اور نہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھاؤ۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (اُن کی) جو (مائیں) تمھارے لیے جائز ہوں، اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کرلو۔ پھر اگر اس بات کا ڈر ہو کہ (اِن کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی یا پھر وہ جو ملک یمین کی بنا پر تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اس بات کے زیادہ قرین ہے کہ تم بے انصافی سے بچے رہو۔ اور اِن عورتوں کو بھی اِن کے مہر دو، اسی طرح جس طرح مہر دیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے شوق سے کھا لو۔ اور (یتیم اگر ابھی نادان اور بے سمجھ ہوں تو) اپنا وہ مال جس کو اللہ نے تمھارے لیے قیام و بقا کا ذریعہ بنایا ہے، اِن بے سمجھوں کے حوالے نہ کرو۔ ہاں، اس سے اُن کو کھلاؤ، پہناؤ اور اُن سے اچھی بات کرو۔ اور اِن یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم اُن کے اندر اہلیت پاؤ تو اُن کے مال اُن کے حوالے کرو، اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اُن کا مال اڑا کر اور جلدی جلدی کھا نہ جاؤ۔ اور (یتیم کا) جو (سرپرست) غنی ہو، اُسے چاہیے کہ (اُس کے مال سے) پرہیز کرے اور جو محتاج ہو، وہ (اپنے حق خدمت کے طور پر) دستور کے مطابق (اُس میں سے) کھائے۔ پھر جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اُن پر گواہ ٹھیرا لو۔ اور حساب کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔ ماں باپ اور اقربا جو کچھ چھوڑیں، اُس میں مردوں کا بھی ایک حصہ ہے اور ماں باپ اور اقربا جو کچھ چھوڑیں، اُس میں عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے، خواہ یہ تھوڑا ہو یا بہت، ایک متعین حصے کے طور پر۔ لیکن تقسیم کے موقع پر جب قریبی اعزہ اور یتیم اور مسکین وہاں آ جائیں تو اِس مال میں سے اُن کو بھی کچھ دو اور اُن سے اچھی بات کرو۔ اور اُن لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑتے تو اُن کے بارے میں انھیں بہت کچھ اندیشے ہوتے۔ اس لیے چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور (ہر معاملے میں) سیدھی بات کہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔''

یتیموں کی بہبود اور اُن سے حسن سلوک کی ہدایت قرآن میں بعض دوسرے مقامات پر بھی ہوئی ہے۔ سورۂ نساء کی ان آیات میں ان کے بارے میں چند متعین احکام دیے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ یتیموں کے سرپرست ان کا مال ان کے حوالے کریں، اسے خود ہضم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ظلم و ناانصافی سے یتیم کا مال ہڑپ کرنا گویا اپنے پیٹ میں آگ بھرنا ہے۔ اس آگ کے ساتھ دوزخ کی آگ سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ لہٰذا کوئی شخص نہ اپنا برا مال ان کے اچھے مال سے بدلنے کی کوشش کرے اور نہ انتظامی سہولت کی نمایش کر کے اس کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانے کے مواقع پیدا کرے۔ اس طرح کا اختلاط اگر کسی وقت کیا جائے تو یہ خورد برد کے لیے نہیں، بلکہ ان کی بہبود اور ان کے معاملات کی اصلاح کے لیے ہونا چاہیے۔

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت اور ان کے حقوق کی نگہداشت ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے لیے تنہا اس ذمہ داری

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو اور وہ یہ سمجھتے ہوں کہ یتیم کی ماں کو اس میں شامل کر کے وہ اپنے لیے سہولت پیدا کر سکتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ ان کی ماؤں میں سے جو ان کے لیے جائز ہوں، ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار کے ساتھ نکاح کر لیں۔ لیکن یہ اجازت صرف اس صورت میں ہے، جب بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھنا ممکن ہو۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں گے تو پھر یتیموں کی بہبود جیسے نیک مقصد کے لیے بھی ایک سے زیادہ نکاح نہ کریں۔ انصاف پر قائم رہنے کے لیے یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان عورتوں کا مہر اسی طریقے سے دیا جائے جس طرح عام عورتوں کو دیا جاتا ہے[۶۹]۔ یہ عذر نہیں پیدا کرنا چاہیے کہ نکاح چونکہ انھی کی اولاد کی مصلحت سے کیا گیا ہے، اس لیے اب کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہی۔ ہاں، اگر اپنی خوشی سے وہ مہر کا کوئی حصہ معاف کر دیں یا کوئی اور رعایت کریں تو اس میں حرج نہیں ہے۔ لوگ اگر چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۳۔ مال لوگوں کے لیے قیام و بقا کا ذریعہ ہے۔ اسے ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا یتیموں کا مال ان کے حوالے کر دینے کی جو ہدایت کی گئی ہے، اس پر عمل اسی وقت کیا جائے، جب وہ اپنا مال سنبھال لینے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اس سے پہلے ضروری ہے کہ یہ سرپرستوں کی حفاظت اور نگرانی میں رہے اور وہ یتیموں کو جانچتے رہیں کہ ان کے اندر معاملات کی سوجھ بوجھ اور اپنی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔ اس دوران میں ان کی ضروریات، البتہ فراخی کے ساتھ پوری کی جائیں۔ اس اندیشے سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے، ان کا مال جلدی جلدی اڑانے کی کوشش نہ کی جائے اور بات چیت میں ان کی دل داری کا خیال رکھا جائے۔

۴۔ سرپرست اگر مستغنی ہو تو اپنی اس خدمت کے عوض اسے کچھ لینا نہیں چاہیے، لیکن غریب ہو تو یتیم کے مال سے اپنا حق خدمت دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔ استاذ امام اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> ''دستور کے مطابق سے مراد یہ ہے کہ ذمہ داریوں کی نوعیت، جائداد کی حیثیت، مقامی حالات اور سرپرست کے معیار زندگی کے اعتبار سے وہ فائدہ اٹھانا جو معقولیت کے حدود کے اندر ہو۔ یہ نوعیت نہ ہو کہ ہر معقول آدمی پر یہ اثر پڑے کہ یتیم کے بالغ ہو جانے کے اندیشے سے اسراف اور جلد بازی کر کے یتیم کی جائداد ہضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۵۵)

۵۔ مال حوالے کیا جائے تو اس پر کچھ ثقہ اور معتبر لوگوں کو گواہ بنا لینا چاہیے تاکہ کسی سوے ظن اور اختلاف و نزاع کا احتمال باقی نہ رہے۔ پھر یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دن یہی حساب اللہ تعالیٰ کو بھی دینا ہے اور وہ سمیع و علیم ہے، اس سے کوئی چیز چھپائی نہیں جا سکتی۔

۶۔ مرنے والے کے ترکے میں وارثوں کے حصے اگرچہ متعین ہیں، لیکن تقسیم وراثت کے موقع پر قریبی اعزہ اور یتامیٰ و

۶۹؎ ان شرائط کے بارے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں، ان کا جواب قرآن نے سورۂ نساء کی آیات ۱۲۷۔۱۳۰ میں دیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس سے پہلے ''تعدد ازواج'' کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔

مساکین اگر آ جائیں تو اس سے قطع نظر کہ قانونی لحاظ سے ان کا کوئی حق بنتا ہے یا نہیں، انھیں کچھ دے دلا کر اور اچھی بات کہہ کر رخصت کرنا چاہیے۔ اس طرح کے موقعوں پر یہ بات ہر شخص کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس کے بچے بھی یتیم ہو سکتے اور وہ بھی اسی طرح انھیں دوسروں کی نگاہ التفات کا محتاج چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے۔

(باقی)

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد اسلم نجمی

سیرت النبی

[علامہ ابن کثیر کی کتاب ''سیرت النبی'' سے ماخوذ]

(۲)

قصۂ سبا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآن مجید میں سبا کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

''اور اہل سبا[8] کے لیے بھی، ان کے مسکن میں بہت بڑی نشانی موجود تھی۔ دہنے بائیں، دونوں جانب باغوں کی دو قطاریں ـــــ اپنے رب کے بخشے ہوئے رزق سے متمتع ہو اور اس کے شکر گزار رہو! زمین شاداب و زرخیز اور پروردگار بخشنے والا ہے تو انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزہ پھل والے درخت اور جھاؤ اور بیری کی جھاڑیاں رہ گئیں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم برا بدلہ ناسپاسوں ہی کو دیا کرتے ہیں۔

اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان، جن میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، سر راہ بستیاں بھی آباد کیں اور ان کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرا دیں۔ ان میں رات دن بے خوف و خطر سفر کرو! پس انھوں نے کہا: اے رب، ہمارے سفروں میں دوری پیدا کر دے اور انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے تو ہم نے ان کو افسانۂ پارینہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر چھوڑا۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے لیے۔'' (سبا ۳۴: ۱۵۔ ۱۹[9])

محمد بن اسحٰق سمیت بہت سے علماے انساب کا کہنا ہے کہ سبا کا پورا نام عبد شمس[10] بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے۔ انھوں نے سبا کے نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ عربوں میں پہلا شخص تھا جس نے لوگوں کو قیدی بنایا (عربی میں سبي کا لفظ قیدی کے لیے استعمال ہوتا ہے) اس لیے اس کا نام سبا پڑ گیا۔ اور اسے رائش کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ اپنا مال لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ عربی میں رائش کا لفظ ایسے شخص کے

لیے استعمال ہوتا ہے جو لوگوں میں بے دریغ اپنا مال لٹاتا ہو۔ سہیلی کی رائے میں اس کے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ پہلا بادشاہ ہے جس کی تاج پوشی ہوئی۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ دین ابراہیمی کا پیرو ہونے کے باعث وہ اصلاً مسلمان تھا۔ بعض کتابوں میں اس کے ایسے اشعار نقل ہوئے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت کا بیان ہے۔ ان میں سے کچھ اشعار کا مفہوم یہ ہے:

ہمارے بعد ایک نبی ایک عظیم مملکت کا حکمران بنے گا جو حدود حرم میں کسی گناہ کی اجازت نہ دے گا۔ اس کے بعد، اس کے پیروکاروں میں سے بہت سے حکمران ہوں گے جو قتل و غارت کے بغیر لوگوں کو اپنا مطیع بنائیں گے۔ پھر ان کے بعد ہم میں سے بادشاہ ہوں گے، اور ہمارے درمیان میں ملک تقسیم ہو جائے گا۔ قحطان کے بعد وہ نبی حکمران ہوگا۔ وہ پرہیز گار، کشادہ دل، منکسر المزاج اور مخلوق میں سب سے بہتر ہوگا۔ اس کا نام احمد ہوگا، کاش میں اس کی بعثت کے بعد کچھ سال زندہ رہتا۔ تو میں اس کا مددگار بنتا اور (اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر) ہتھیار بند ہو کر ماہر تیر انداز کی حیثیت سے اس کی حفاظت کرتا۔ جب وہ آ جائے تو تم اس کے مددگار بننا اور تم میں سے جو اسے ملے، وہ اسے میرا اسلام کہے۔''

ان کے یہ اشعار ابن دحیہ نے ''التنویر فی مولد البشیر والنذیر'' میں نقل کیے ہیں۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے؟ یہ کسی آدمی کا نام ہے، کوئی عورت ہے، یا یہ لفظ کسی جگہ کے نام کے طور پر استعمال ہوتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ نہ عورت ہے، نہ کوئی جگہ ہے، بلکہ یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے، ان میں سے چھ یمن میں بس گئے تھے اور چار شام میں آباد ہوئے۔ مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار اور حمیر یمنی تھے، جبکہ شام میں آباد ہونے والوں میں لخم، جذام، عاملۃ اور غسان شامل ہیں۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں ہم نے اپنی تفسیر ''تفسیر القرآن العظیم'' میں بیان کیا ہے کہ سائل کا نام فروہ بن مسیک الغطیفی تھا۔ ہم نے وہاں اس حدیث کے تمام طرق اور پورے الفاظ نقل کر دیے ہیں[11]۔

اس ساری بحث کا مقصود یہ بتانا ہے کہ سبا میں یہ سارے قبائل شامل ہیں۔ یمن کے رہنے والے تبابعہ کا شمار بھی انھی میں ہوتا ہے۔ تبابعہ تبع کی جمع ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ تبع ایک خاص قسم کے تاج کو کہتے ہیں اور ان کے بادشاہ تخت حکومت پر براجمان ہوتے وقت یہ تاج پہنا کرتے تھے، اس لیے اس تاج کی رعایت سے ان کا لقب تبع پڑ گیا۔ اسی طرح کی تاج پوشی ایران کے اکاسرہ[12] یعنی شاہان فارس کا بھی دستور تھا۔ عرب ہر اس بادشاہ کو تبع کہتے تھے جو یمن، شحر اور حضر موت کا حکمران ہوتا تھا، یہ ایسے ہی تھا جیسے وہ شام اور الجزیرہ کے فرماں روا کو قیصر کے نام سے پکارتے تھے۔ اسی طرح وہ ملوک فارس کو کسریٰ، مصر کے بادشاہوں کو فرعون، حبشہ کے حکمران کو نجاشی اور ہند کے بادشاہ کو بطلیموس کہتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کی ملکہ بلقیس کا شمار بھی یمنی حکمرانوں میں ہوتا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قوم سبا کے لوگ بڑی قابل رشک زندگی بسر کرتے تھے۔ان کے ہاں دولت کی ریل پیل اور پھلوں کی کثرت تھی۔ان کے کھیت نہایت وسیع وعریض اور سرسبز وشاداب تھے۔اوراس پر مستزاد یہ کہ قوم سبا کے لوگ محنتی اور مستقل مزاج تھے۔وہ صراط مستقیم پر گام زن اور رشد و ہدایت پر قائم تھے،لیکن جب انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی،کفر کا راستہ اختیار کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر ـــــ جہنم ـــــ میں لا اتارا تو ان پر اللہ کی لعنت ہوئی۔وہ سب نعمتوں سے محروم کر دیے گئے اور آخرت میں خدا کے غضب کے مستحق قرار پائے۔

محمد بن اسحق نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تیرہ نبی بھیجے،جب کہ سدی کی روایت ہے کہ ان میں بارہ ہزار انبیا مبعوث ہوئے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ یہ لوگ رشد و ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے پر چل نکلے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کر کے سورج کی پرستش کرنے لگے۔گمراہی کا پہلے سے جاری یہ سلسلہ ملکہ بلقیس[۱۳] کے دور میں بھی قائم رہا۔قوم سبا کے لوگ گمراہی اور نافرمانی کی اس روش پر بڑی بے باکی سے قائم رہے،یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عرم[۱۴] کا سیلاب بھیجا۔

سلف وخلف میں سے بے شمار مفسرین اور بہت سے دوسرے اہل علم نے بیان کیا ہے کہ سد مأرب دو پہاڑوں کے درمیان میں سے بہنے والے پانی کو روک کر بنایا گیا تھا۔یہ بند قدیم زمانے میں تعمیر ہوا۔بند بنانے والوں نے بڑے بڑے ستون بنائے اوراسے نہایت محکم اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا،یہاں تک کہ (اس بند کے باعث) پانی کی سطح بلند ہوگئی۔اس طرح اس کے پانیوں کی رسائی پہاڑوں کے اوپر کی زمین تک ہوگئی۔انھوں نے اس بند کے دونوں اطراف میں باغات اور پھل دار درخت لگا دیے اور پانی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ وسیع رقبے پر کھیتی باڑی کرنے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل شخص جس نے اس بند کی بنیاد رکھی وہ سبا بن یعرب تھا۔اس نے ستر وادیوں کے پانی کا بہاؤ اس طرف کو موڑا تھا اوراس کے بیس در بنائے تھے جن میں سے پانی خارج ہوتا تھا۔وہ اپنی زندگی میں اس بند کی تعمیر مکمل نہ کر سکا اور مر گیا۔اس کے بعد حمیر نے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔یہ بند ایک مربع فرسخ[۱۵] کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔

مأرب کے باشندوں کے ہاں رزق کی فراوانی تھی،وہ نہایت پرآسایش زندگی گزار رہے تھے اوران کا دور نہایت خوش حالی کا دور تھا۔ان کے باغات کی زرخیزی اور شادابی کا عالم بیان کرتے ہوئے قتادہ روایت کرتے ہیں کہ کوئی عورت اگر خالی ٹوکری سر پر رکھے باغ میں سے گزرتی تو وہ ٹوکری پھلوں سے،ان کے انتہائی پکے ہوئے اور کثیر مقدار میں ہونے کے باعث ہاتھوں سے توڑے بغیر،ان کے خود بخود گرنے سے بھر جاتی تھی۔اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آب وہوا کے انتہائی صاف اور ماحول کے نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا ہونے کے باعث ان کے علاقے میں مکھی،مچھر اور دوسرے حشرات نام کو نہ تھے۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

”اور یاد کرو جب تمھارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزار رہے تو میں تمھیں بڑھاؤں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہوگا۔“[16]

وہ جب اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگے اور انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اپنی بستیوں میں سہولتوں اور سامان زندگی کی فراوانی، باغوں کی دل آویز فضاؤں اور پرامن راستوں کی دستیابی کے باوجود اس بات کی خواہش کرنے لگے کہ انھیں دور دراز کے سفر درپیش ہوں اور مزید یہ کہ وہ سفر پرمشقت اور تھکا دینے والے ہوں۔ گویا وہ یہ چاہتے تھے کہ اعلیٰ اور عمدہ سہولیات کو ادنیٰ اور گھٹیا چیزوں سے بدل دیں۔ یہ ایسی ہی خواہش تھی جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کے عوض میں سبزیاں، ککڑیاں، لہسن، مسور اور پیاز مانگے تھے۔ سو ان کی اس ناسپاسی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ بے مثال نعمتیں چھین لیں اور انھیں اپنی بے پایاں رحمت کے سایے سے محروم کر دیا۔ ان کے شہر برباد ہو گئے اور وہ پراگندہ حالی میں منتشر ہو گئے۔

حواشی

۸۔ سبا کا علاقہ یمن میں ہے۔ مأرب اسی کا شہر ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس علاقے کا یہ نام اس لیے پڑا کہ یہاں پہلے پہل سبا بن یشجب بن قحطان کی اولاد آباد ہوئی تھی۔

۹۔ یہ آیات سورۂ سبا میں جس پیرے میں وارد ہوئی ہیں، اس میں قریش کے متمردین کے سامنے دو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی ہے جب کہ دوسری مثال قوم سبا کی پیش کی گئی ہے۔ یہ مثالیں پیش کر کے بنی اسمٰعیل کے منکرین کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ان کے سامنے دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں: وہ چاہیں تو پیغمبروں کی طرح خدا کے شکر گزار اور اطاعت شعار بندے بن کر آخرت میں جنت کے حق دار بن جائیں، اور یا پھر قوم سبا کی طرح عالم کے پروردگار سے بے پروائی اور سرکشی کا راستہ اختیار کر کے اس کے قہر کو دعوت دیں۔

سورۂ سبا میں یہ پیرا آیات ۱۰ تا ۲۱ پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ عبد شمس نامی یہ شخص، جیسا کہ اس کے نسب سے ظاہر ہے، قوم سبا کا جد اعلیٰ ہے۔ قحطانیوں اور عدنانیوں کے جد امجد کا نام بھی عبد شمس ہے۔

قحطان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

قحطان بن عابر بن شالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔

قحطانی عبد شمس حمیری ہے۔ اس کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبد شمس بن وائل بن قطن۔

عدنانی عبد شمس کا شجرۂ نسب یہ ہے:

عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

اس سلسلۂ نسب کا تعلق قریش سے ہے۔ عبد شمس کی اولاد میں سے جن کے نام تاریخ و اعلام کی کتابوں میں ملتے ہیں، ان میں امیہ، حبیب، عبدامیہ، نوفل، ربیعہ، عبدالعزیٰ اور عبداللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ابن حبیب کی تحقیق کے مطابق عبد شمس اصحاب ایلاف میں سے ہیں۔ ان کی وفات مکہ میں ہوئی۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عدنان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔ اہل حجاز کے بہت سے عرفا اور شرفا کا سلسلۂ نسب انھی سے ملتا ہے۔ اس کا ایک بیٹا معد تھا۔ اس سے نزار پیدا ہوا، اور اس کے آگے دو بیٹے مضر اور ربیعہ تھے۔ عرب کے اکثر قبائل نزار کے انھی دو بیٹوں سے آگے پھیلے۔ بنو اسد، بنو عبدالقیس، بنو عنزۃ، بنو بکر، بنو تغلب، بنو وائل وغیرہ بنو ربیعہ کی نسل سے ہیں۔ بنو مضر شروع میں دو بڑے قبیلوں بنو قیس اور بنو الیاس میں منقسم ہوئے۔ بنو غطفان، بنو سلیم، بنو قیس کی اولاد سے ہیں۔ بنو غطفان آگے بنو غیض، بنو عبس، بنو ذبیان میں تقسیم ہوئے۔ ان میں سے بنو سلیم سے بہثہ اور ہوازن کے قبیلوں نے جنم لیا۔ اسی طرح بنو تمیم، بنو ھذیل، بنو اسد اور بنو کنانہ کی نسبت بنو الیاس کی طرف کی جاتی ہے۔ قریش بنو کنانہ سے ہیں۔ قریش آگے بنو جمع، بنو سہم، بنو عدی، بنو مخزوم، بنو تیم، بنو زھرہ بنو عبدالدار، بنو اسد بن عبدالعزیٰ اور بنو عبد مناف میں تقسیم ہو گئے۔ عبد شمس، نوفل، مطلب، اور ہاشم عبد مناف کی اولاد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو عباس ہاشم کی اولاد سے ہیں۔ اور بنو امیہ عبد شمس کی اولاد ہیں۔

عدنان کی ساری اولاد حجاز، نجد، تہامہ، عراق اور یمن کے علاقوں میں آباد ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سلسلۂ نسب کو عدنان تک ہی ثابت قرار دیتے تھے۔

۱۱۔ تفسیر ابن کثیر ۵۳۰/۳۔ مطبوعہ امجد اکیڈمی، لاہور۔

۱۲۔ اکاسرہ کسریٰ کی جمع ہے۔

۱۳۔ ملکہ بلقیس کا تعلق ملک یمن سے ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۶۵ تا ۹۲۶ قبل مسیح) کی ہم عصر تھیں۔

اس کی سلطنت پر یمن ہی کے ایک علاقے غمدان کے حکمران عمرو بن ابرھہ (ذوالازعار) نے چڑھائی کی، ملکہ بلقیس کی سپاہ نے انھیں شکست دی۔ اس کے بعد اس نے ایک اعرابی کا بھیس بدل کر احقاف کی طرف کوچ کیا۔ اسے ذوالازعار کے لوگوں نے گھیر لیا، اسے اطاعت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور نشے میں چور ہو کر اس کے ساتھ بیہودگی کا مظاہرہ کیا۔ اس جسارت پر اس نے ان لوگوں کے ساتھ ذوالازعار کو قتل کر کے اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور اس طرح پورے یمن پر اس کی عمل داری قائم ہو گئی اور حمیر کے سارے سردار اس کے مطیع بن گئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر اس نے اپنے لشکر قاہرہ کے ساتھ بابل اور فارس پر چڑھائی کی۔ وہاں کے لوگوں نے مزاحمت کیے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر وہ واپس لوٹی اور مقام سبا کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ یہی وہ وقت تھا جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت قائم ہوئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اہل یمن کو خدا کے سچے دین کی دعوت دینے کے لیے نکلے۔ یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ آپ جب سبا پہنچے تو ملکہ بلقیس نے اپنے خدم وحشم کے ساتھ ان کا پر تپاک استقبال کیا۔ اس نے خدا کے پیغمبر کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئی۔ اس کے اسلام لانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی۔ ملکہ بلقیس کی آپ کے ساتھ رفاقت کا عرصہ کم وبیش آٹھ سال اور کچھ مہینوں پر محیط ہے۔ شادی کے بعد وہ حضرت سلیمان کے ساتھ ان کے دارالحکومت تدمر منتقل ہو گئی اور وفات کے بعد اسے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تدمرہی میں دفن کیا گیا۔

اس کا تابوت اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں دریافت ہوا۔ جب اس کے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا گیا تو انکشاف ہوا کہ اس کی لاش بالکل تروتازہ ہے اوراس کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔ اسے ولید کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ تابوت اسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں سے اسے نکالا گیا تھا اوراس پر قبہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

۱۴۔ عرم کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ قوم سبا کی وادی کا نام ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرم دراصل ایک خاص قسم کے چوہے کو کہتے ہیں۔ یہی چوہا تھا جس نے سدمأرب میں اپنے بل بنائے، جن کی وجہ سے یہ بند تباہ ہوا۔

۱۵۔ ایک فرسخ بارہ ہزار مربع گز یا تقریباً ۸ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔

۱۷۔ ابراھیم ۱۴: ۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے فرعونیوں کے پنجہ ستم سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کو یہ خدا کی نصیحت ہے کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں کی قدر کریں اوراس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔ انھوں نے اگر ناشکری کا رویہ اختیار کیا تو وہ سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

قرآن میں اس یاددہانی کا مقصد اس دور کے یہود کو متنبہ کرنا ہے جو اسلام کی مخالفت میں اندھے ہو کر اپنا سارا وزن مشرکین بنی اسمٰعیل کے پلڑے میں ڈال رہے تھے اور ملت ابراہیمی کی تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسئلۂ افغانستان

(۲)

طالبان کا عروج و زوال

طالبان کے قائد ملا محمد عمر ۱۹۵۹ء میں قندہار کے قریب ایک گاؤں نودہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان غلزئی قبیلے کی ہوتک شاخ سے وابستہ ہے، تاہم غربت اور پس ماندگی کی وجہ سے ۱۹۹۴ء سے قبل ملا محمد عمر کے نام سے ان کے گاؤں کے لوگوں کے سوا کوئی اور واقف نہ تھا۔ افغان جنگ کے دنوں میں ملا محمد عمر کا خاندان نقل مکانی کر کے نواحی صوبے ارزگان (حامد کرزئی کا آبائی علاقہ) منتقل ہوا تھا۔ ملا محمد عمر نے ایک مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ابھی جوان تھے کہ والد انتقال کر گئے، چنانچہ گھر کے اخراجات کا بوجھ اٹھانے کی خاطر انھوں نے صوبہ قندہار کے علاقے میوند کی ایک مسجد میں امامت شروع کی۔ کمیونسٹوں کے خلاف مجاہدین کی تحریک مزاحمت کے دنوں میں ملا محمد عمر، مولوی یونس خالص کی تنظیم ''حزب اسلامی'' (خالص) سے وابستہ ہو گئے۔ وہ اس تنظیم کے نمایاں لوگوں کی صف میں کبھی شامل نہیں ہوئے اور آخری وقت تک انھیں ایک معمولی کمانڈر کی حیثیت حاصل رہی۔ ۱۹۸۹ء میں جنگ کے دوران میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوئی اور بتایا جاتا ہے کہ تب علاج کی غرض سے وہ پہلی دفعہ پاکستان آئے۔ نجیب حکومت کے خاتمے کے بعد وہ مجاہدین کی اندرونی لڑائیوں سے کنارہ کش ہو گئے اور کلاشنکوف رکھ کر قندہار کے نواح میں ایک مدرسہ قائم کر کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا۔ انھوں نے تین شادیاں کیں اور ان کے بچے بھی اسی مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ملا محمد عمر قائدانہ صلاحیتوں سے بالکل محروم تھے۔ وہ انتہائی شرمیلے اور کم گو انسان تھے۔ افغانستان کا حکمران بن جانے کے باوجود انھوں نے کیمرے کا سامنا کیا نہ کبھی کسی اخبار نویس کو انٹرویو دیا۔ واحد صحافی جن کو وہ انٹرویو دیا کرتے تھے، وہ رحیم اللہ یوسف زئی تھے، لیکن اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات استوار ہو گئے تھے۔

طالبان تحریک کے آغاز کے بارے میں کئی قصے مشہور ہیں، تاہم اصل قصہ جو اس تحریک کے آغاز کا سبب بنا یوں تھا

کہ ۱۹۹۴ء میں ایک مقامی کمانڈر نے بدفعلی کی غرض سے ایک نوجوان کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ یہ بات پورے علاقے میں پھیل گئی تھی، چنانچہ ملا محمد عمر اپنے طالبان اور گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے لڑکے کو چھڑانے کے لیے گئے اور کمانڈر کو قتل کر کے اس کی لاش ایک جگہ لٹکا دی۔ یہ خالصتاً ایک اتفاقی واقعہ تھا جس کے لیے پہلے سے کوئی منصوبہ بندی کی گئی تھی نہ اس سے پہلے کبھی ملا محمد عمر کے ذہن میں طالبان کی طرح کسی منظّم تحریک کو شروع کرنے کا خیال آیا تھا، لیکن چونکہ قندہار کے لوگ مقامی کمانڈروں کے ظلم سے تنگ آ گئے تھے اور وہ ان سے جان چھڑانے کی خاطر کسی مسیحا کی تلاش میں تھے اس لیے لامحالہ قرب و جوار کے لوگوں کی نظریں ملا محمد عمر اور ان کے طالبان کی طرف اٹھنے لگیں۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں پاکستان کے وزیر داخلہ میجر جنرل (ر) نصیر اللہ بابر نے چھ مغربی سفارت کاروں کے ہمراہ قندہار اور ہرات کے راستے وسط ایشیا تک کا سفر کیا۔ انھوں نے ترکمانستان جاتے ہوئے ہرات کے گورنر اسماعیل خان سے ملاقات کی۔ ۲۸ دسمبر کو پاکستانی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے بھی ترکمانستان کے دارالحکومت اشک آباد میں اسماعیل خان اور افغان ازبک لیڈر رشید دوستم سے ملاقات کی۔ یہ وہ عرصہ تھا کہ جب ربانی حکومت اور پاکستان کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے تھے۔ کابل حکومت سے مایوسی کے بعد حکومت پاکستان جنوبی افغانستان کے راستے وسط ایشیا کے ساتھ تجارتی روابط استوار کرنے کی خواہش مند تھی، جبکہ دوسری طرف نصیر اللہ بابر کے ساتھ مغربی سفارت کاروں کے دورۂ افغانستان کو تیل اور گیس کی ان بین الاقوامی کمپنیوں کی کوششوں کا نقطۂ آغاز قرار دیا جاتا ہے جو ترکمانستان سے افغانستان اور پاکستان کے راستے گیس پائپ لائن بچھانے کی آرزومند تھیں۔ اسی سال نومبر میں نصیر اللہ بابر کے منصوبے کے تحت خیر سگالی کے جذبے کے اظہار کے لیے تیس ٹرکوں پر مشتمل امدادی سامان کا قافلہ کوئٹہ سے ترکمانستان کے لیے روانہ ہوا جسے قندہار میں مقامی کمانڈروں نے روک لیا۔ مقامی کمانڈروں سے لڑائی کے نتیجے میں پاکستانی قافلے کے بیس افراد ہلاک ہوئے۔ اس دوران میں نصیر اللہ بابر نے قندہار میں مقیم پاکستان کے سفارتی عملے کے ذریعے سے ملا محمد عمر سے رابطہ قائم کیا اور ان سے ٹرکوں کے قافلے کو چھڑانے میں مدد کی درخواست کی۔ اول الذکر واقعے کی وجہ سے چونکہ ملا محمد عمر کا رعب علاقے میں بیٹھ گیا تھا، اس لیے مجاہد کمانڈروں کے ظلم وستم سے تنگ آنے والے قندہار کے باشندے بندوقوں سمیت ملا محمد عمر اور ان کے ساتھیوں کی حمایت میں نکل آئے اور ایک ہی دن کے اندر وہ مجاہد کمانڈروں کو مار بھگانے اور پورے قندہار پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ ملا محمد عمر اور ان کے ساتھی پاکستانی قافلے کو چھڑانے کے بعد قندہار پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بیشتر سابق کمانڈر قندہار چھوڑ کر فرار ہو گئے اور جو ہاتھ آئے انھیں قتل کر کے ان کی لاشوں کو چوراہوں میں لٹکا دیا گیا۔ ملا محمد عمر اور ان کے ساتھیوں کی اس اچانک اور غیر معمولی کامیابی نے نہ صرف انھیں دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنا دیا، بلکہ پورے علاقے میں ان کی شخصیت کا رعب بھی بیٹھ گیا۔ صرف بیس روز بعد یعنی ۲۵ نومبر کو طالبان نے قریبی صوبے ہلمند پر بھی قبضہ کر لیا اور یوں طالبان کی فتوحات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

طالبان کے عروج کے بارے میں دو انتہا پسندانہ موقف پائے جاتے ہیں۔ ان کے حامی کسی بیرونی ہاتھ کی موجودگی کو مکمل

رد کر کے طالبان تحریک کو خالصتاً مقامی حالات کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں، جبکہ دیگر لوگوں کے خیال میں یہ خالصتاً آئی ایس آئی، یونیکال اور سی آئی اے کی پیدا کردہ تحریک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ طالبان کا عروج مذکورہ دونوں عوامل کے اشتراک کے نتیجے میں سامنے آیا۔ طالبان مقامی حالات کی وجہ سے ایک اتفاقی واقعے کے نتیجے میں سامنے آئے تھے۔ ملا محمد عمر اور طالبان کے دیگر بیشتر قائدین جو کچھ کہہ اور کر رہے تھے، وہ ایک کمٹمنٹ کے تحت کہہ اور کر رہے تھے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس تحریک کو پاکستانی اداروں، سی آئی اے، یونیکال، سعودی عرب، حتیٰ کہ کسی وقت میں رشید دوستم اور برہان الدین ربانی جیسے لوگوں نے بھی سپورٹ کیا۔ دراصل اس وقت امریکی کمپنی یونیکال ترکمانستان سے افغانستان کے راستے پاکستان کے ساحل سمندر تک گیس پائپ لائن بچھانے کے منصوبے پر کام کر رہی تھی۔ اس غرض کے لیے اسے جنوبی افغانستان میں ایک مستحکم حکومت کی ضرورت تھی۔ جنرل نصیر اللہ بابر، یونیکال اور سی آئی اے ہی کے اشارے پر طالبان تحریک کو سپورٹ کر رہے تھے۔ دوسری طرف یہ حقیقت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جب تک یونیکال اور طالبان کے مذاکرات ناکام نہیں ہوئے تھے، تب تک امریکا نے طالبان کے خلاف کسی طرح کا کوئی قدم نہیں اٹھایا، لیکن جب طالبان نے پائپ لائن کا ٹھیکہ یونیکال کے بجائے ارجنٹائن کی کمپنی بریڈاس کو دینے پر آمادگی ظاہر کر دی تو امریکا کی طرف سے طالبان کی مخالفت بڑھ گئی، حالانکہ طالبان اس سے قبل بھی انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیوں کا ارتکاب کر رہے تھے۔

دراصل امریکی سی آئی اے اور پاکستانی ادارے طالبان کے نمودار ہونے سے بہت عرصہ پہلے ایک نئے منصوبے پر کام شروع کر چکے تھے۔ وہ مجاہدین کی حکومت کو ہٹا کر کسی ایک اتھارٹی کے تحت نئی قوت کو سامنے لانے کے لیے سرگرم عمل تھے۔ اس غرض کے لیے قندہار اور گردونواح کے علاقوں میں کئی لوگوں کو منظم کیا گیا تھا۔ ملا محمد عمر کے کئی قریبی ساتھی، جو اس وقت تک ان سے متعلق نہ تھے، بھی مذکورہ منصوبے کا حصہ تھے۔ سی آئی اے، یونیکال، سعودی عرب اور پاکستان کے اس مشترکہ منصوبے میں، بہروز بالول اور گزشتہ لویہ جرگہ میں نمایاں کردار ادا کرنے والی خاتون تاجور کاکڑ کا کردار نمایاں تھا۔ مذکورہ تمام ادارے مل کر نصیر اللہ بابر کے ذریعے سے اپنے منصوبے کو آگے بڑھا رہے تھے، لیکن چونکہ مقامی کمانڈر کے خلاف اچانک اور حیران کن کارروائی کی وجہ سے ملا محمد عمر اور ان کے ساتھی توجہ کا مرکز بن گئے، اس لیے سی آئی اے، یونیکال، سعودی عرب اور پاکستان نے ملا محمد عمر کو لیڈر مان کر اپنے منصوبے کے تحت جمع ہونے والے لوگوں کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا اور ان کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے وسائل بھی مہیا کرنے لگے۔

افغانستان کے اندر حکومتوں کو لانے اور گرانے میں تاجر، اسمگلر اور ڈرگ مافیا سے وابستہ لوگ بھی بنیادی کردار ادا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس وقت یہ لوگ مختلف علاقوں میں مختلف کمانڈروں کے کنٹرول سے تنگ آ گئے تھے۔ واحد اتھارٹی اور ادارہ نہ ہونے کی وجہ سے انھیں متعدد کمانڈروں کو راضی کرنا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے ان سب عناصر کا کاروبار بری طرح متاثر ہو رہا تھا، چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ طالبان کی صورت میں افغانستان کے اندر سنگل اتھارٹی کی حکومت قائم ہو سکتی ہے تو

انھوں نے بھی طالبان کوسپورٹ کرنا شروع کر دیا۔مجاہدین کے دور میں افغانستان کے راستے انتہائی غیر محفوظ ہوگئے تھے جس کی وجہ سے تاجر اور اسمگلر شدید عدم تحفظ سے دوچار تھے، دوسری طرف طالبان نے اپنے زیر تسلط علاقوں میں سخت قوانین کے نفاذ کے ذریعے سے امن قائم کیا تھا اور تمام تجارتی روٹ محفوظ بنا دیے تھے۔اس وجہ سے بھی تاجر اور اسمگلر طالبان کو سپورٹ کرتے رہے۔اسی طرح افغان عوام بھی مجاہد تنظیموں کے دور کی انارکی اور رشوتوں سے تنگ آ گئے تھے اور طالبان کے بارے میں چونکہ یہ تاثر عام تھا کہ ان کی حکومت میں رشوت نہیں چلتی، اس لیے عوام نے بھی طالبان کو سپورٹ کیا۔ ملا محمد عمر سمیت طالبان کے بیشتر لیڈر دیگر حکمرانوں کی طرح شان وشوکت سے زندگی گزارنے کے قائل نہ تھے، بلکہ ملا محمد عمر کی زندگی تو فقر کا بہترین نمونہ تھی۔طالبان کی یہ خوبی بھی عوام کو ان کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنی۔

طالبان تحریک چونکہ دینی مدارس میں پڑھنے والے طالبان نے شروع کی تھی اور اس کی لیڈر شپ میں غلبہ بھی انھی لوگوں کا تھا، اس لیے اسے آخری وقت تک محض طالبان کی تحریک ہی تصور کیا جاتا رہا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بڑی تعداد میں سابق کمیونسٹ اور سابق جہادی کمانڈر بھی اس تحریک کا حصہ بن گئے تھے۔ طالبان کے ساتھ مل جانے کے بعد یہ لوگ اپنی ڈاڑھیوں کو بڑھا کر سر پر ٹوپی کے بجائے پگڑی باندھنے لگے جس کے بعد انھیں بھی طالبان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔خود ملا محمد عمر ماضی میں مجاہد تنظیم حزب اسلامی (خالص) سے وابستہ رہے تھے۔وزیر اعظم کی حیثیت کے حامل طالبان کی کابل شوریٰ کے چیئرمین ملا محمد ربانی جو ۲۰۰۱ء میں انتقال کر گئے تھے، کا تعلق بھی اسی تنظیم سے تھا۔طالبان حکومت کے اہم وزرا ملا محمد حسن اخوند، ملا محمد غوث، ملا رحمت اللہ اخوند، ملا محمد عباس اخوند، ملا داد اللہ اور اسی نوع کے دیگر طالب قائدین ماضی میں جہادی تنظیموں سے وابستہ رہے تھے۔مشہور جہادی کمانڈر جلال الدین حقانی طالبان حکومت میں نہ صرف قبائلی امور کے وزیر تھے، بلکہ امریکی حملوں کے بعد انھیں سپریم کمانڈر بھی بنا دیا گیا تھا۔اسی طرح متعدد سابق کمیونسٹ بھی اپنے مخالف مجاہدین کے مقابلے میں ابھرنے والی اس نئی قوت کے ساتھ مل گئے تھے اور ڈاڑھیاں رکھ کر وہ بھی اپنے آپ کو طالب مشہور کر رہے تھے۔ اس صورت حال کو واضح کرنے کے لیے یہاں میں ایک ذاتی مشاہدے کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔اگست ۱۹۹۹ء میں شمالی اتحاد کے علاقوں سے واپسی پر طالبان نے مجھے میرے دوست محمد اعظم خان سمیت گرفتار کر لیا۔ریڈیو تہران کے لیے رپورٹنگ کرنے کی بنا پر طالبان قیادت ان دنوں مجھ سے سخت ناراض تھی۔ دوسری طرف وہ چاہتے تھے کہ احمد شاہ مسعود کے علاقوں میں بنائی گئی ویڈیو فلم مجھ سے حاصل کر لیں، چنانچہ مجھے واپسی پر گرفتار کر کے اسد آباد کے انٹیلی جنس (استخبارات) کے عقوبت خانے میں بند کر دیا گیا۔دن رات کونڑ صوبے کے انٹیلی جنس شعبے کا سربراہ مجھ سے تفتیش کرتا رہا۔ابتدائی تفتیش کے موقع پر اس نے پاکستان کے بارے میں غلط الفاظ استعمال کیے جس پر ان کے ساتھ میری تلخ کلامی ہوگئی۔ایک طالب رہنما کا پاکستان سے نفرت کا اظہار مجھے بہت عجیب لگا۔ دو روز بعد ہماری نگرانی پر مامور طالبان میں سے ایک طالب نے مجھے بتایا کہ ان کا تعلق دراصل حزب اسلامی (حکمت یار) سے ہے، لیکن اب وہ مجبوراً طالبان کا ساتھی بن گیا ہے۔وہ دل سے طالبان کا شدید

مخالف تھا اور دوران حراست میں ہمارے ساتھ درپردہ تعاون کرتا رہا۔ میں نے جب ان سے ان کے ادارے کے سربراہ کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ دراصل وہ کمیونسٹ ہے اور ماضی میں خاد تنظیم کا عہدے دار تھا، اس لیے وہ پاکستان سے نفرت کرتا ہے۔ کمیونسٹوں اور سابق مجاہد لیڈروں کے علاوہ ایک اور عنصر جو طالبان تحریک کی تقویت کا باعث بنا، وہ پختون قوم پرستی کی بنیاد پر پختون قبائل کی طرف سے اس کی سپورٹ تھی۔ برہان الدین ربانی اور احمد شاہ مسعود، جو تاجک نسل سے تعلق رکھتے ہیں، پختون مخالف تصور کیے جاتے تھے اور چونکہ طالبان پختون علاقے یعنی قندہار سے اٹھے تھے، اس لیے پختونولی کی بنیاد پر بھی پختون علاقوں سے اسے غیر معمولی سپورٹ ملتی رہی۔

قندہار اور نواحی صوبوں کا کنٹرول سنبھالنے کے بعد طالبان کابل کی طرف بڑھنے لگے۔ ۲ فروری ۱۹۹۵ء کو انھوں نے ارزگان کے راستے کابل سے ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع وردک صوبے پر قبضہ کرلیا۔ ۴ فروری کو انھوں نے کابل کے نواح میں واقعہ پہاڑی علاقے چہارسیاب پر بڑا حملہ کیا جہاں گلبدین حکمت یار اپنے مخالف احمد شاہ مسعود کے خلاف کابل پر حملوں کے لیے براجمان تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس روز طالبان نے حکمت یار کو قتل کرنے کی تمام منصوبہ بندی کررکھی تھی، تاہم حکمت یار بغیر کسی مزاحمت کے چہارسیاب کو طالبان کے حوالے کر کے جان بچانے کی خاطر وہاں سے نکل گیا۔ ۷ مارچ کو احمد شاہ مسعود نے جوابی حملہ کر کے طالبان کو چہارسیاب سے پیچھے دھکیل دیا۔ اس دوران میں کابل کے مغربی حصہ پر قابض حزب وحدت کے سربراہ عبدالعلی مزاری نے طالبان کو اپنے علاقوں میں آکر کابل کے اندر گھسنے کی دعوت دی۔ طالبان شیعہ حزب وحدت کے زیر قبضہ علاقوں میں داخل ہوگئے اور عبدالعلی مزاری کو ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر مذاکرات کے بہانے قندہار لے جانے لگے، لیکن راستے میں ان کا ہیلی کاپٹر حادثے کا شکار ہوا جس میں وہ ہلاک ہوگئے۔ افغانستان کی شیعہ برادری ہیلی کاپٹر کے حادثے کو حادثہ قرار دینے سے انکاری ہے اور اس کا خیال ہے کہ ان کے لیڈر کو طالبان نے دھوکا دے کر منصوبے کے تحت قتل کیا۔ دوسری طرف ہرات کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے طالبان نے ۴ اپریل کو ایرانی سرحد کے قریب شین ڈنڈ کے اہم ہوائی اڈے پر قبضہ کرلیا۔ ۲۹ اپریل کو اسماعیل خان کی فوجوں نے طالبان کو واپس شین ڈنڈ کے علاقے سے نکال دیا۔ ۵ ستمبر کو طالبان نے حیرت انگیز طور پر پیش قدمی کر کے ہرات کو قبضے میں لے لیا اور اسماعیل خان بغیر کسی مزاحمت کے شہر سے نکل گئے۔ اسماعیل خان جس طرح بے پناہ جنگی قوت کے حامل تھے اور جس طرح انھیں مقامی آبادی کا تعاون بھی حاصل تھا، اس کے باوجود بغیر کسی مزاحمت کے ہرات پر طالبان کے قبضے نے ان کے حامی اور مخالف سب لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ دوسری طرف کٹر حنفی اور شیعہ وایران مخالف نظریات رکھنے والے طالبان کی اپنی سرحد کے قریب مسلسل کامیابیوں نے ایران کو شدید تشویش میں مبتلا کردیا اور وہ طالبان مخالف قوتوں کو بھرپور طریقے سے سپورٹ کرنے لگا۔ اسی سال ۶ ستمبر کو کابل میں پاکستانی سفارت خانے کو جلا دیا گیا۔ اس عمل کو کابل انتظامیہ کی شہ حاصل تھی جو کابل حکومت کا پاکستان کی طرف سے طالبان کی سپورٹ پر ناراضی کا اظہار تھا۔ دوسری طرف ایران نے طالبان کو متنبہ کیا کہ وہ ایرانی سرحد کو عبور کرنے سے گریز کرے۔

اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں طالبان نے کابل پر میزائلوں سے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا اور اس دوران میں وہ تواتر کے ساتھ اپنی قوت کو قندہار سے کابل منتقل کرتے رہے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۹۶ء کو قندہار میں ایک ہزار علما اور قبائلی سرداروں کی شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا۔ ۴ اپریل کو اس شوریٰ نے اپنے اختتامی اجلاس میں ملا محمد عمر کو امیر المومنین منتخب کرکے ربانی حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ ۱۱ ستمبر کو طالبان افغانستان کے مشرقی شہر جلال آباد پر قابض ہو گئے اور گورنر حاجی قدیر فرار ہو کر پاکستان آن پہنچے۔ پاکستان ٹیلی وژن پر بیان دیتے ہوئے حاجی قدیر نے کہا کہ اس نے رضا کارانہ طور پر جلال آباد طالبان کے حوالے کیا۔ جلال آباد پر قبضے کے چند روز بعد طالبان نے کونڑ صوبے کے مرکز اسد آباد پر بھی قبضہ کر لیا، جبکہ دوسری طرف کابل کی طرف پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے ۲۵ ستمبر کو وہ دفاعی لحاظ سے اہم علاقے سروبی پر قابض ہو گئے۔ ان لڑائیوں میں طالبان کے سپریم کمانڈر ملا بورجان ہلاک ہو گئے، لیکن ان کی ہلاکت سے بھی طالبان کے حوصلے پست نہ ہوئے اور وہ مسلسل کابل کی طرف بڑھتے رہے۔ ۲۶ ستمبر کو طالبان اچانک کابل میں داخل ہو گئے اور پروفیسر ربانی، حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کابل چھوڑ کر شمالی افغانستان منتقل ہو گئے۔ احمد شاہ مسعود اپنے مرکز پنج شیر جا کر طالبان کے خلاف اپنی قوت کو از سر نو منظم کرنے لگے، لیکن گلبدین حکمت یار مزاحمت چھوڑ کر ابتدا میں کندوز اور بعد ازاں ایران چلے گئے۔ احمد شاہ مسعود کے ساتھ جو دیگر لوگ طالبان کی مزاحمت کرنے لگے، ان میں استاد سیاف واحد نمایاں پختون کمانڈر تھے۔ اسی طرح حزب اسلامی (حکمت یار) کے کئی اہم کمانڈر جن میں سابق وزیر دفاع وحید اللہ سباؤن اور سابق مرکزی تنظیمی امیر حاجی کشمیر خان قابل ذکر ہیں، نے حکمت یار کی پالیسی کے برعکس احمد شاہ مسعود کے اتحادی بن کر طالبان کے خلاف مزاحمت جاری رکھی۔ ننگرہار کے سابق گورنر حاجی عبدالقدیر بھی کچھ عرصہ دوبئی اور یورپ میں گزارنے کے بعد تاجکستان کے راستے واپس افغانستان آئے اور لغمان کے شمال میں کانتی وا کے مقام پر اپنا مرکز قائم کر کے مزاحمت میں حصہ لینے لگے۔ شیعہ دھڑے بھی آخری وقت تک طالبان کی مزاحمت جاری رکھے ہوئے تھے۔ کابل سے نکالے جانے کے باوجود تالقان میں اپنا مرکز قائم کر کے برہان الدین ربانی نے اپنے آپ کو صدر کہلوانے پر اصرار جاری رکھا، جبکہ اقوام متحدہ سمیت، پاکستان اور سعودی عرب کے علاوہ دنیا کے باقی تمام ممالک بھی آخری وقت تک ربانی کی حکومت کو تسلیم کرتے رہے۔

کابل پر قبضے کے بعد طالبان نے اپنے زیر قبضہ علاقوں میں اپنے فہم کے مطابق شریعت کے نام پر سخت قوانین کو رائج کیا۔ خواتین کی تعلیم اور مردوں کے ساتھ ان کے اختلاط پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مردوں کے لیے لمبی ڈاڑھیوں کو رکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ مختلف شہروں میں شرعی حدود کی خلاف ورزی کے الزام میں لوگوں کو سزائیں دینا روز کا معمول بن گیا۔ ٹی وی اسٹیشن بند کر کے ٹی وی دیکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ ریڈیو کابل کا نام تبدیل کر کے ریڈیو شریعت رکھ دیا گیا جس پر صرف خبریں، تلاوت قرآن، نظمیں اور طالبان رہنماؤں کی تقریریں نشر کی جاتی تھیں۔ موسیقی کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اسی طرح متعدد کھیلوں پر بھی پابندی عائد کی گئی۔ طالبان اپنی حکومت اور پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے ساتھ کسی قسم کی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نرمی برتنے کے روادار نہ تھے۔ کابل پر قبضے کے فوراً بعد طالبان نے سابق صدر ڈاکٹر نجیب اللہ کو اقوام متحدہ کے دفتر سے نکال کر بھائی سمیت، جو ان سے ملاقات کے لیے آئے تھے، پھانسی دے کر لاشوں کو کابل کے ایک چوک میں تین روز تک لٹکائے رکھا۔ اس کے بعد جس بھی فرد کو طالبان حکومت کا مخالف قرار دیا گیا، طالبان قیادت نے اسے گرفتار کرنے اور سنگین سزا دینے میں دیر نہیں لگائی۔ اس صورت حال کی وجہ سے کابل اور دیگر شہروں سے بڑی تعداد میں لوگ نقل مکانی کرنے لگے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ پشاور اور دیگر خطوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

طالبان کی بڑھتی ہوئی قوت کی وجہ سے ایران کے ساتھ ساتھ وسط ایشیائی ریاستیں بھی تشویش میں مبتلا ہونے لگیں اور ۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو الماتے میں ہونے والے وسط ایشیائی ریاستوں کے سربراہوں کے اجلاس میں طالبان کو متنبہ کیا گیا کہ وہ وسط ایشیا میں مداخلت سے باز رہیں۔ دوسری طرف یہ ریاستیں بالخصوص تاجکستان اور ازبکستان طالبان کا زور توڑنے کی خاطر شمالی اتحاد کو سپورٹ کرنے لگیں۔ ستمبر ۹۶ء میں کابل پر قبضے کے بعد سے لے کر ۹۷ء کے اواخر تک طالبان نے احمد شاہ مسعود کے مرکز پنج شیر پر قبضے کے لیے متعدد حملے کیے، لیکن انھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس دوران میں طالبان اور مسعود کے مابین زیادہ تر جنگیں چاریکار اور باگرام کے علاقوں میں ہوتی رہیں۔ مئی ۱۹۹۷ء میں طالبان کو شمالی محاذ پر ایک بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ ازبک کمانڈر جنرل رشید دوستم کے ایک اہم کمانڈر جنرل مالک نے ان کے خلاف بغاوت کر کے فریاب صوبے پر قبضے کے ساتھ ساتھ طالبان کی حمایت کا اعلان کیا۔ ۲۰ مئی کو بادغیس اور سرائے پل صوبوں پر قبضے کے بعد اس نے ہرات کے سابق گورنر اسماعیل خان سمیت شمالی اتحاد کے سات سو قیدیوں کو طالبان کے حوالے کیا۔ اسماعیل خان ایک لمبے عرصے تک قندھار کی جیل میں رہے اور ۲۰۰۰ء میں بعض طالبان رہنماؤں کو رشوت دے کر جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد اسماعیل خان ایک بار پھر ہرات کے گورنر بن گئے ہیں۔

۲۴ مئی کو جنرل مالک کی مدد سے طالبان رشید دوستم کے ہیڈ کوارٹر مزار شریف پر قابض ہو گئے، لیکن صرف چند روز بعد یعنی ۲۸ مئی کو جنرل مالک اور طالبان کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے اور اس کی فوجوں نے طالبان کو مزار شریف سے نکال دیا۔ جنرل مالک نے طالبان کے دو وزرا سمیت متعدد لوگوں کو گرفتار کر لیا، جبکہ ہزاروں کی تعداد میں طالبان قتل کر ڈالے۔ مئی ۹۶ء میں پاکستان نے طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لیا جس کی پیروی کرتے ہوئے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے بھی ان کی حکومت کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ ۱۲ ستمبر کو جنرل دوستم ترکی سے واپس مزار آئے اور شیعہ دھڑے حزب وحدت کے تعاون سے جنرل مالک کو نکال کر شہر کا کنٹرول سنبھال لیا۔ ۱۶ نومبر کو جنرل رشید دوستم نے شبرغان کے علاقے میں واقع تین اجتماعی قبروں سے دو ہزار طالبان کی لاشیں نکالیں جنھیں جنرل مالک نے قتل کیا تھا۔

۷ اگست ۱۹۹۸ء کو طالبان اور باقی دنیا کے تعلقات اس وقت ایک نیا رخ اختیار کرنے لگے، جب کینیا اور تنزانیہ میں ہونے والے بم دھماکوں کے لیے اسامہ بن لادن جو اپنی تنظیم القاعدہ کے ہزاروں ارکان سمیت طالبان کے علاقوں میں مقیم

تھے، کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ دوسری طرف ۸ اگست کو مزار شریف پر طالبان کے قبضے کے بعد بڑی تعداد میں ہزارہ قوم کے شیعوں کے ساتھ ساتھ گیارہ ایرانی سفارت کاروں اور ایک صحافی کو بھی قتل کر دیا گیا، جس سے ایران اور طالبان کے تعلقات میں بے انتہا کشیدگی پیدا ہوئی اور ایران نے افغان سرحد کے ساتھ فوجی مشقوں کا آغاز کر کے طالبان پر دباؤ بڑھانا شروع کیا۔ دوسری طرف طالبان کے حامی پاکستان پر بھی عالمی دباؤ بڑھنے لگا۔ اسی سال گیارہ اگست کو روس نے پاکستان کو متنبہ کیا کہ وہ طالبان کی مدد سے باز آ جائے۔ ۱۸ اگست کو ایران نے امریکا اور پاکستان پر الزام لگایا کہ وہ طالبان کو ایران کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ ادھر امریکا کی طرف سے بھی اسامہ بن لادن کے سلسلے میں پاکستان پر دباؤ بڑھنے لگا۔ ۲۰ اگست کو امریکا نے جلال آباد اور خوست میں اسامہ بن لادن کے ٹھکانوں پر ۷۵ کروز میزائل فائر کیے، تاہم اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھی وہاں موجود نہ تھے، اس لیے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ طالبان نے اسامہ بن لادن کو افغانستان سے نکالنے کے مطالبے کو رد کرتے ہوئے موقف ظاہر کیا کہ وہ بہر صورت اس کی حفاظت کریں گے۔ ۲۶ اگست کو ایک امریکی عدالت نے اسامہ بن لادن کو دہشت گردی کا ملزم قرار دے دیا۔ ۱۳ ستمبر کو طالبان وسطی افغانستان کے صوبے بامیان پر قابض ہوئے، جہاں کی شیعہ آبادی کو شدید بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ ہیومن رائٹس واچ کے مطابق طالبان نے یکاولنگ کے پورے گاؤں کو نذر آتش کیا اور سیکڑوں شیعہ ہزارہ میں قتل کر دیے گئے۔ ۲ فروری ۱۹۹۹ء کو امریکی نائب سیکرٹری خارجہ سٹروب ٹالبوٹ نے اپنی حکومت کی طرف سے ایک خط طالبان رہنماؤں کو پہنچایا جس میں ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اسامہ بن لادن کو امریکا کے حوالے کر دیں، لیکن طالبان کے سربراہ ملا محمد عمر نے اس مطالبے کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اسامہ بن لادن ان کے مہمان ہیں اور افغان اپنے مہمان کو کبھی جانے کا نہیں کہا کرتے، تاہم انھوں نے یقین دلایا کہ وہ اسامہ بن لادن کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کریں گے۔ ۶ جولائی ۱۹۹۹ء کو امریکا نے طالبان کے خلاف تجارتی اور اقتصادی پابندیاں عائد کر کے امریکا میں ان کے اثاثے منجمد کر دیے۔ ۲۴ اگست کو طالبان کے سربراہ ملا محمد عمر کے گھر کے سامنے بم دھماکا ہوا جس میں ان کے دو سوتیلے بھائی، ایک عرب باشندہ اور ۳۷ دیگر افراد ہلاک ہوئے۔ واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق اسی عرصے میں میاں نواز شریف کی حکومت نے امریکی سی آئی اے کے ساتھ مل کر اسامہ بن لادن کو کمانڈوز کی کارروائی کے ذریعے سے گرفتار یا ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن قبل اس کے کہ یہ منصوبہ روبہ عمل ہوتا، پاکستان میں ان کی حکومت ختم کر دی گئی۔

نواز شریف حکومت کے خاتمے کے بعد جنرل پرویز مشرف کی حکومت دنیا میں واحد حکومت تھی، جو طالبان کے ساتھ قریبی روابط کے لیے مشہور تھی۔ اگرچہ چین اور ترکمانستان جیسے بعض پڑوسی ممالک بھی رفتہ رفتہ طالبان کے ساتھ روابط استوار کرنے لگے تھے، لیکن طالبان اپنی پالیسیوں کی وجہ سے روز بروز اپنے دشمنوں میں اضافہ کرتے رہے۔ اسامہ بن لادن کی تنظیم میں ایک طرف اگر چیچن باشندے شامل تھے تو دوسری طرف چینی صوبے سنکیانگ کے بعض لوگ بھی یہاں آن پہنچے تھے۔ عرب ممالک میں تو شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو، جس کے باشندے، جو زیادہ تر اپنی حکومتوں کو مطلوب تھے، افغانستان میں

اسامہ بن لادن کی تنظیم سے وابستہ نہ تھے۔ ۲۰۰۱ء کے سال کا سورج طالبان کے لیے زوال کا پیغام لے کر طلوع ہوا۔ سال کے آغاز میں بامیان میں بدھا کے تاریخی مجسمے کو بم سے اڑانے کی وجہ سے طالبان کی عالمی بدنامی میں مزید اضافہ ہوا اور جاپان وتھائی لینڈ جیسے ممالک بھی مخالف بن گئے۔ اس دوران میں اسامہ بن لادن کے ایشو پر اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے بھی طالبان کے خلاف پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور امریکا کی شہ پر طالبان کے خلاف عالمی دباؤ میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کابل میں عیسائیت کی تبلیغ کے الزام میں ایک این جی او سے وابستہ امریکی اور آسٹریلوی باشندوں کی گرفتاری نے جلتی پر تیل کا کام کیا، تاہم دوسری طرف طالبان دباؤ کے آگے جھکنے کے بجائے طیش میں آ کر روز بروز عالمی برادری کو طیش دلانے والے مزید اشتعال انگیز اقدامات کرتے رہے۔ گیارہ ستمبر کے واقعات سے چند روز قبل شمالی اتحاد کے اہم کمانڈر احمد شاہ مسعود کو صحافیوں کے روپ میں آنے والے دو عربوں نے بم کے ایک خودکش حملے کے ذریعے سے قتل کیا۔ شمالی اتحاد نے اس کے لیے اسامہ بن لادن اور پاکستان کی خفیہ ایجنسی کو موردالزام ٹھہرادیا۔ طالبان کے رہنماؤں نے احمد شاہ مسعود کے قتل پر خوشی کا اظہار کیا، لیکن ان کی یہ خوشی بڑی عارضی ثابت ہوئی اور گیارہ ستمبر کو امریکا میں دہشت گردی کے واقعات افغانستان میں طالبان حکومت کے خاتمے کی تمہید ثابت ہوئے۔ گیارہ ستمبر کے واقعات کے لیے اسامہ بن لادن کو موردالزام ٹھہرا کر امریکا نے طالبان سے القاعدہ کے اہم ممبران کو امریکا کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن طالبان نے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے امریکا سے مقابلے کا عزم ظاہر کیا۔ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے قرارداد کے ذریعے سے امریکا اور اس کے اتحادیوں کو طالبان کے خلاف کارروائی کا اختیار دے دیا اور ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکا نے شمالی اتحاد کی مدد سے طالبان کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز کر دیا۔ شدید امریکی بمباری کے نتیجے میں طالبان بہت جلد کابل چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ابتدائی طور پر شمالی اتحاد کے سربراہ پروفیسر برہان الدین نے کابل کا کنٹرول سنبھالا، تاہم بعدازاں ۲۰ دسمبر ۲۰۰۱ء کو بون معاہدے کی رو سے حامد کرزئی عبوری حکومت کے سربراہ مقرر ہوئے۔ جون ۲۰۰۲ء میں کابل میں، اقوام متحدہ کی نگرانی اور بین الاقوامی امن فوج کی حفاظت میں لویہ جرگہ منعقد ہوا جس میں حامد کرزئی کو مزید اٹھارہ ماہ کے لیے عبوری حکومت کا سربراہ منتخب کر لیا گیا۔ امریکا اور اس کی اتحادی افواج اگرچہ طالبان حکومت کے خاتمے اور اپنے حامیوں کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئیں، تاہم وہ نہ صرف ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن کو ہلاک یا گرفتار نہیں کر سکے، بلکہ ایک سالہ جنگ کے بعد بھی اب افغانستان میں جگہ جگہ انھیں طالبان اور القاعدہ کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اسامہ بن لادن

اسامہ بن محمد بن لادن ۱۹۵۵ء میں سعودی عرب کے شہر جدہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد بن لادن کسی زمانے میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یمن سے سعودی عرب منتقل ہوکر کاروبار میں بے پناہ وسعت کی وجہ سے ارب پتی بن گئے تھے۔ وہ بن لادن کنسٹرکشن کمپنی کے مالک اور شاہ فیصل کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ مکہ معظّمہ میں مسجدالحرام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی توسیع کا کام بھی اسی بن لادن کمپنی نے کرایا۔ سعودی عرب سے باہر بھی کئی ممالک میں تعمیرات کے متعدد منصوبے مکمل کر کے اس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی تھی۔ اسامہ بن لادن کے باپ نے کئی شادیاں کی تھیں۔ محمد بن لادن کی ستاون اولادوں میں اسامہ بن لادن کا سترہواں نمبر ہے، تاہم اپنی والدہ کا وہ اکلوتا بیٹا ہے۔ ابتدا میں اسامہ بن لادن نے جدہ یونیورسٹی میں بزنس ایڈمنسٹریشن کی ماسٹر ڈگری لینے کے لیے داخلہ لے رکھا تھا۔ وہاں وہ سعودی عرب کے مشہور دینی اسکالر ڈاکٹر سفر الحوالی کے نظریات سے متاثر ہوئے جس کی وجہ سے ان کا دین کی طرف رجحان پیدا ہوا اور انھوں نے بزنس ایڈمنسٹریشن چھوڑ کر اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ لے لیا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسامہ بن لادن عبداللہ عزام کے نظریات سے متاثر ہو کر جہاد کی طرف راغب ہوئے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ عزام کے ساتھ جدہ یونیورسٹی میں اسامہ بن لادن کی صرف علیک سلیک رہی تھی۔ دراصل یہ ڈاکٹر سفر الحوالی تھے، جن کے نظریات نے اسامہ کی زندگی بدل دی۔ ڈاکٹر سفر الحوالی سعودی عرب کے نامور مذہبی اسکالر اور درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے نظریات کی بنا پر سعودی حکومت نے انھیں کئی سال جیل میں رکھا اور اس وقت بھی وہ جیل سے تو باہر آ گئے ہیں، لیکن بدستور گھر پر نظر بند ہیں۔ جب افغانستان میں سوویت فوجیں داخل ہوئیں اور اس کے جواب میں مجاہدین نے اپنی مزاحمت کو جہاد کا نام دیا تو اسامہ بن لادن بھی اس میں حصہ لینے کے لیے پشاور چلے آئے۔ یہ وہ وقت تھا جب امریکی سی آئی اے افغان جہاد کی سپورٹ کے لیے دنیا بھر بالخصوص عرب ممالک سے لوگوں کو افغانستان لانے میں خصوصی دلچسپی لے رہی تھی۔ یہاں بھی عام مغالطہ یہ پایا جاتا ہے کہ اسامہ بن لادن کو عبداللہ عزام نے جہاد کے لیے مدعو کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بالکل برعکس اسامہ بن لادن کی ترغیب پر عبداللہ عزام اس طرف متوجہ ہوئے۔ پشاور آ کر اسامہ بن لادن مجاہدین لیڈروں سے ملے اور ۱۹۸۰ء میں افغان مجاہدین کی امداد کے لیے، عبداللہ عزام کے ساتھ مل کر ''مکتب الخدمت'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اپنے وسائل کے ساتھ ساتھ عرب ممالک سے عطیات لا کر مجاہدین کی امداد میں لگ گئے۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ عزام کے ساتھ اسامہ بن لادن کے اختلافات پیدا ہو گئے اور آہستہ آہستہ وہ ''مکتب الخدمت'' سے الگ ہو کر اسے عبداللہ عزام کے سپرد کر گئے۔ اختلافات کی وجوہات میں سر فہرست وجہ یہ تھی کہ عبداللہ عزام ''مکتب الخدمت'' کو سیاسی رنگ دے رہے تھے، جبکہ اسامہ بن لادن اسے خالص جہادی سرگرمیوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ اس تنظیم میں ان دونوں کے ہمراہ ایک اور نمایاں شخصیت شیخ تمیم عدنانی بھی تھے۔ عبداللہ عزام کی طرح وہ بھی فلسطینی تھے اور امریکا سے لوٹ کر پشاور آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ عزام روز بروز مکتب الخدمت پر اپنی گرفت مضبوط کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے چار دامادوں اور دو بھانجوں کو بھی بلا کر اس میں ذمہ داریاں سونپ دیں۔ ان کے ایک بھانجے جو فرانسیسی شہریت رکھتے تھے، کے احمد شاہ مسعود کے ساتھ تعلقات تھے، چنانچہ وہ زیادہ سے زیادہ امداد کا رخ احمد شاہ مسعود کی

طرف موڑنا چاہتے تھے جس پر اسامہ بن لادن خوش نہیں تھے۔ خود اسامہ بن لادن زیادہ امداد کے مستحق گلبدین حکمت یار اور جلال الدین حقانی جیسے جہادی لیڈروں کو گردانتے تھے۔ اسامہ بن لادن نے شروع سے یہ پالیسی اپنا رکھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو کسی خاص تنظیم کے ساتھ نتھی کرنے سے گریز کر رہے تھے اور اس کے بجائے ہر تنظیم میں موثر اور اپنے نظریات سے قریبی لوگوں کے ساتھ روابط رکھ رہے تھے۔ عبداللہ عزام سے الگ ہو جانے کے بعد اسامہ بن لادن نے افغان سرحد سے متصل کرم ایجنسی کے علاقہ سدہ میں اپنا مرکز قائم کیا جسے ''معسدۃ الانصار'' کا نام دیا گیا۔ یہاں وہ عرب دنیا سے نوجوانوں کو بلا کر تربیت دیتے اور افغانستان بھجواتے رہے۔

بے پناہ مالی وسائل اور افرادی قوت کے حامل ہونے کی وجہ سے اسامہ بن لادن نے بہت جلد مجاہد لیڈروں میں محبوبیت حاصل کی، جبکہ امریکی سی آئی اے اور پاکستانی ادارے بھی ان کو خاص اہمیت دیتے رہے۔ انھوں نے پشاور میں کئی دفاتر قائم کر رکھے تھے اور اپنی تعمیراتی کمپنی کے بعض انجینئروں اور تعمیراتی مشینری کو بھی یہاں منتقل کیا تھا جو افغانستان میں مجاہدین کو سڑکوں اور غاروں کی تعمیر میں خصوصی مدد دیتے رہے۔ ۱۹۸۶ء میں اسامہ بن لادن نے خوست کی پہاڑیوں میں مجاہدین کے لیے خوست ٹنل کمپلیکس تعمیر کیا جو کابل حکومت کی بمباری کے مقابلے میں مجاہدین کے لیے محفوظ ٹھکانے اور ڈپو کا کام دیتا رہا۔ ۱۹۸۹ء میں مجاہدین حکومت کے قیام تک اسامہ بن لادن عرب ممالک سے ہزاروں نوجوانوں کو لا کر افغانستان میں جنگی تربیت فراہم کر چکے تھے۔ یہ وہ عرصہ تھا جب امریکی ہدایت پر پاکستان نے عرب ملکوں میں اپنے سفارت خانوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جہاد میں شرکت کے خواہش مند لوگوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے ویزے جاری کر دیا کریں۔ پاکستان میں ان عربوں کو گھومنے پھرنے کی نہ صرف مکمل آزادی حاصل تھی، بلکہ انھیں جماعت اسلامی کی صورت میں موثر اور منظّم میزبان بھی میسر تھے۔ اس دوران میں مصر کی ''اخوان المسلمون''، ''الجماعۃ اسلامیہ'' اور عرب ملکوں میں خلاف قانون قرار پانے والی کئی تنظیموں کے عہدہ دار بھی اسامہ بن لادن کے ساتھ اس عمل میں برابر کے شریک رہے۔ ۱۹۸۸ء میں اسامہ بن لادن نے القاعدہ کے نام سے عرب اور غیر افغان مجاہدین کی ایک تنظیم قائم کر کے خوست کے قریب پہاڑی غاروں کو اپنا مرکز بنا لیا۔ ۱۹۸۹ء میں عبداللہ عزام پشاور میں اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ ایک بم دھماکے میں انتقال کر گئے۔ عبداللہ عزام کے قاتل آج تک معلوم نہ ہو سکے، تاہم بعض حلقے ان کے قتل کو بھی عرب مجاہدین کے اندرونی اختلافات کا شاخسانہ قرار دے رہے ہیں۔ جب کہ کچھ ذرائع ان کے قتل کو احمد شاہ مسعود سے ان کی قربت اور ایک مجاہد تنظیم اور ایرانی انٹیلی جنس کی مشترکہ کارروائی کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ عبداللہ عزام کے انتقال کے بعد باقی ماندہ عرب مجاہدین بھی اسامہ کے گرد جمع ہونے لگے۔ نجیب حکومت کے خاتمے اور مجاہدین کے اقتدار کے بعد ۱۹۸۹ء میں اسامہ بن لادن واپس جدہ چلے گئے، لیکن ان کے نظریات اور سرگرمیاں سعودی حکومت کو راس نہ آئیں۔ انھیں ایک بار سعودی حکومت نے گرفتار بھی کیا، لیکن وزیر داخلہ جنرل خالد جو اسامہ کے قریبی دوست تھے، نے انھیں رہائی دلائی۔ سعودی حکومت نے ان کا پاسپورٹ بھی ضبط کر رکھا تھا اور جب ۱۹۹۱ء

میں وہ سوڈان جانے لگے تو جنرل خالد نے ہی انھیں خصوصی جہاز میں بٹھا کر سوڈان روانہ کیا۔ سعودی عرب کی حکومت کی طرف سے دباؤ بڑھ جانے کے بعد وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر سوڈان چلے گئے جہاں سوڈانی لیڈر عمر البشیر اور حسن ترابی ان کے میزبان بنے۔ ان دنوں سوڈانی حکومت وہاں پر موجود عیسائیوں سے برسر پیکار تھی۔ اسامہ بن لادن نے اپنے مجاہدین کو سوڈان بلانا شروع کیا اور ''اقتال السودان'' کے نام سے تنظیم قائم کر کے عیسائیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لینا شروع کیا۔ سعودی عرب کے شاہی خاندان کے بارے میں اسامہ بن لادن کا رویہ روز بروز سخت ہوتا جا رہا تھا۔ وہ عرب سرزمین پر امریکی فوجوں کے قدم جمانے کی اجازت دینے پر اپنی حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے چنانچہ ۱۹۹۴ء میں سعودی عرب نے ان کی سعودی شہریت ختم کر دی۔ اس عرصے میں امریکا کی طرف سے اسامہ بن لادن کو نکالنے کے لیے سوڈان کے خلاف دباؤ بڑھتا گیا اور بالآخر ۱۹۹۶ء میں سوڈانی حکومت نے امریکی پابندیوں کے خوف سے اسامہ بن لادن کو سوڈان چھوڑنے کا حکم دیا۔ اسامہ بن لادن نے واپس افغانستان جانے کا فیصلہ کیا۔

مئی ۱۹۹۶ء میں گلبدین حکمت یار نے ان کو لانے کے لیے اپنے تین قریبی ساتھیوں فضل حق مجاہد، استاد ساز نور اور انجینئر محمود کو سوڈان بھیجا، جہاں سے ایک خصوصی چارٹرڈ طیارے کے ذریعے سے اسامہ بن لادن اپنے اہل خانہ اور قریبی ساتھیوں کے ہمراہ جلال آباد منتقل ہوئے۔ جلال آباد پہنچ کر اسامہ بن لادن نے ایک بار پھر اپنے تربیت یافتہ لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے تمام مالی وسائل بھی افغانستان منتقل کرنے لگے، لیکن اب کی بار ان کا ٹارگٹ سوویت یونین نہیں، بلکہ امریکا تھا۔

اسامہ بن لادن جلال آباد پر طالبان کے قبضے تک اس شہر کے پارمیٹرہ نامی علاقے میں اپنے ساتھیوں سمیت مقیم رہے۔ ابتدا میں طالبان اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کے شدید مخالف تھے۔ وہ اسامہ بن لادن کو گلبدین حکمت یار اور استاد سیاف کا آدمی تصور کر رہے تھے۔ طالبان کٹر حنفی اور دیوبندی تھے، جبکہ اسامہ بن لادن اور دیگر عرب غیر مقلد یعنی اہل حدیث تھے۔ طالبان کا یہ خیال تھا اور جو واقعی درست خیال تھا کہ اسامہ اور ان کے ساتھی افغانستان میں وہابیت پھیلا رہے ہیں، یہ عنصر بھی اسامہ بن لادن سے ان کی نفرت کا باعث تھا۔ حیرت انگیز طور پر جب طالبان اسامہ بن لادن کے میزبانوں یعنی گلبدین حکمت یار اور مشرقی شوریٰ کو شکست دے کر جلال آباد پر قابض ہو گئے تو اسامہ بن لادن کے ساتھ ان کی دوستی استوار ہوئی۔ حنفی مسلک کے طالبان اور وہابی مسلک کے اسامہ بن لادن کی دوستی کی یہ اچانک استواری بظاہر تو بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے، لیکن حقائق جاننے والے لوگوں کے لیے یہ کسی اچنبے کی بات نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس ڈیل میں سعودی انٹیلی جنس کے سربراہ ترکی الفیصل نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ ترکی الفیصل نہ صرف اسامہ بن لادن سے گہری ہمدردی رکھتے تھے، بلکہ شروع سے لے کر آخر تک اسامہ بن لادن کے ساتھ قریبی رابطے میں بھی رہے۔

جلال آباد پر طالبان کے قبضے سے دو روز قبل اسامہ بن لادن ''تورہ بورہ'' کے پہاڑوں میں منتقل ہو گئے تھے، لیکن جلال

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

آ باد پر قبضے کے بعد ملا محمد عمر نے جو فرمان جاری کیا، اس کا پہلا حصہ تو جلال آ باد کے عام شہریوں کے لیے معافی کے اعلان پر مشتمل تھا، لیکن دوسرے حصے میں اسامہ بن لادن کو مہمان قرار دے کر قندہار منتقل کرنے کا بھی ذکر کیا گیا تھا، تاہم اس وقت فرمان کے اس دوسرے حصے کو مشتہر نہیں کیا گیا۔ جلال آ باد پر طالبان کے قبضے کے بعد اسامہ بن لادن کے تین میز بانوں میں سے دو یعنی استاد ساز نور اور انجینئر محمود کو ایک اور شمالی کمانڈر کے بھائیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر قتل کیا، جبکہ ان کے تیسرے میز بان فضل حق مجاہد بھاگ کر پشاور چلے آئے جو بعد میں یہیں قتل کر دیے گئے۔ دو روز بعد طالبان کے اس وقت کے سپریم کمانڈر ملا بور جان نے اسامہ کو تلاش کر کے جلال آ باد منتقل کیا اور وہاں موجود میرے ایک افغان دوست کے بقول جب اسامہ بن لادن کو جلال آ باد لایا گیا تو وہ اپنے قریبی دوستوں استاد ساز نور اور انجینئر محمود کی ہلاکت پر اتنے غم زدہ تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس موقع پر ایمن الظواہری اور ابوزبیدہ بھی اسامہ بن لادن کے ساتھ تھے۔ ملا بور جان نے ملا محمد عمر کے حکم پر اسامہ بن لادن کو قندہار منتقل کیا اور یوں طالبان اور اسامہ کی دوستی کا آغاز ہوا۔

اسامہ بن لادن کے حوالے سے سعودی حکومت کا کردار انتہائی دلچسپ ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ اسامہ بن لادن کو اپنا دشمن سمجھ رہی تھی، آخری وقت تک اس نے اسامہ بن لادن کو بچانے کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اس غرض سے وہ طالبان کو بھرپور مالی امداد بھی فراہم کرتی رہی، جبکہ پاکستانی اداروں نے بھی اگر امریکی دباؤ کے باوجود، اسامہ بن لادن کے خلاف آخری وقت تک کوئی قدم اٹھانے سے گریز کیا تو وہ سعودی حکومت کے دباؤ کا ہی نتیجہ تھا۔ سعودی انٹیلی جنس کے سربراہ ترکی الفیصل ہر موقع پر اسامہ بن لادن کے ساتھ رابطے میں رہے اور بظاہر دشمن بن کر وہ طالبان کے ذریعے سے اسامہ بن لادن کو ہر طرح کی سپورٹ فراہم کرتے رہے۔ طالبان حکومت کے باخبر لوگ ایک لمبے عرصے تک اسامہ بن لادن کو اپنے پاس سعودی حکومت کی ایک امانت تصور کرتے رہے۔ سعودی حکومت کی اس گیم کا بخوبی اندازہ اس واقعے سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگست ۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں میں ہونے والے بم دھماکوں کے بعد امریکی حکومت کے دباؤ پر ایک روز سعودی انٹیلی جنس کے سربراہ ترکی الفیصل طالبان کے امیر المومنین ملا محمد عمر سے ملنے قندہار گئے۔ وہ اپنے ساتھ اسامہ کو لے جانے کے لیے ایک خالی جہاز بھی لے گئے تھے اور چونکہ وہ جانتے تھے کہ اسامہ بن لادن کو انھوں نے ہی طالبان کے حوالے کیا ہے، اس لیے انھیں پکا یقین تھا کہ ان کے مطالبے پر ملا عمر اسامہ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ قندہار جا کر انھوں نے طالبان کے سربراہ کو انتہائی تحکمانہ انداز میں کہا کہ اسامہ کو ان کے حوالے کیا جائے، لیکن جواب میں ملا محمد عمر نے انکار کرتے ہوئے ترکی الفیصل کو کھری کھری سنائیں۔ ملا عمر نے ان سے کہا کہ اسامہ اب ان کے لیے عزت اور غیرت کا مسئلہ بن گیا ہے اور وہ کسی بھی صورت اسے ان کے حوالے نہیں کر سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ ملا عمر نے ترکی الفیصل سے یہ بھی کہا کہ وہ سعودی عرب کے نہیں، بلکہ افغانستان کے سربراہ ہیں اور یہاں اس طرح کی بے غیرتی کے کام نہیں ہو سکتے۔ اس واقعے کے بعد سعودی عرب نے طالبان کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کر لیے، تاہم خفیہ روابط، ان کی حکومت کے خاتمے تک استوار

رہے۔

یہاں فطری طور پر یہ سوال جنم لیتا ہے کہ سعودی حکومت کس لیے اس دہرے کردار کا مظاہرہ کر رہی تھی؟ اس سوال پر جتنا بھی غور کیا جائے تو اس کی دو وجوہات سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ سعودی عرب کا شاہی خاندان اسامہ جیسے اپنے کسی اہم شہری کے امریکا کے ہاتھوں میں چلے جانے کو اپنی غیرت اور وقار کے منافی سمجھتا تھا۔ دوسری طرف انھیں ڈر تھا کہ اگر اسامہ بن لادن امریکا کے حوالے کیا گیا تو اس کا خود سعودی عرب کے اندر شدید ردعمل ہوگا۔ چونکہ اسامہ بن لادن کا خاندان سعودی عرب میں بے پناہ احترام اور سماجی اور مالی حیثیت کا حامل ہے، اس لیے ان کی گرفتاری کا ملک کے اندر شدید ردعمل کا امکان تھا۔ شاہی خاندان کی نظر میں بن لادن خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل اسامہ کے ایک رشتہ دار وفات پا گئے تھے جس کی نماز جنازہ میں نہ صرف شاہ فہد نے علالت کے باوجود شرکت کی، بلکہ شاہی خاندان کے تقریباً تمام افراد اس میں شریک تھے۔

طالبان سے دوستی استوار ہونے کے بعد اسامہ بن لادن نے دنیا بھر سے جہاد کے شوقین نوجوانوں اور امریکا مخالف عناصر کو افغانستان میں اکٹھا کرنا شروع کیا۔ انھوں نے اپنے تمام وسائل بھی افغانستان منتقل کر دیے۔ کابل کے قریب ریشخور، خوست، کندوز، قندہار اور جلال آباد سمیت کئی علاقوں میں انھوں نے اپنے ٹریننگ کیمپ بنا لیے، جن میں عرب دنیا اور دیگر خطوں سے آنے والے جوانوں کو عسکری ٹریننگ دی جاتی تھی۔ ان ٹریننگ کیمپوں میں پڑھنے والوں کے لیے باقاعدہ ایک کورس تیار کیا گیا تھا۔ کئی سو صفحات پر مشتمل تیرہ کتابوں کا یہ کورس ہر جوان کو پڑھایا جاتا تھا، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کو نظریاتی اور عملی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسامہ بن لادن امریکا کے دشمن نمبر ون کے طور پر ابھرتے رہے۔ ابتدا میں نیویارک کی ایک عدالت نے اسامہ بن لادن کو دہشت گردی کا ملزم قرار دے دیا۔ امریکا نے ۱۹۹۳ء میں صومالیہ میں ہلاک ہونے والے اٹھارہ امریکی سپاہیوں کے قتل کی ذمہ داری بھی اسامہ پر ڈال دی۔ ۱۹۹۵ء میں ریاض میں پانچ امریکیوں کی ہلاکت، ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم دھماکوں، ۱۹۹۴ء میں فلپائن میں بل کلنٹن کے قتل کے ناکام منصوبے اور اسی طرح کے دیگر متعدد واقعات کے لیے بھی اسامہ بن لادن کو ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔ ادھر ۹۳ء کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر دھماکوں میں عمر قید کی سزا پانے والے مصر کی ''الجماعۃ الاسلامیہ'' کے نابینا رہنما عمر عبدالرحمان، جنھیں امریکی عدالت نے عمر قید کی سزا سنائی ہے، کے دونوں بیٹے اور دیگر قریبی ساتھی بھی افغانستان آ کر اسامہ بن لادن کے ساتھ مل گئے۔ اسی طرح امریکا مخالف اور اپنے ملکوں میں خلاف قانون قرار پانے والی متعدد دیگر اسلامی تنظیموں کے عہدہ دار اور رہنما بھی افغانستان آ کر اسامہ بن لادن کے گرد جمع ہو گئے۔ ۱۹۹۷ء میں اسامہ بن لادن کو قتل کرنے کے لیے جلال آباد میں بم دھماکے کرائے گئے جس میں پچاس کے قریب افراد ہلاک ہوئے، لیکن اسامہ بن لادن یا اس کے کسی قریبی ساتھی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس واقعے کے بعد اسامہ بن لادن نے اپنی حفاظت پر خصوصی توجہ دی اور اپنی سرگرمیوں کو زیر زمین بنانے کے ساتھ ساتھ

مزید تیز کر دیا۔ امریکا نے ۱۹۹۶ء میں سعودی عرب کے علاقے دہران میں اپنے فوجیوں پر ہونے والے حملے کی ذمہ داری بھی اسامہ بن لادن پر ڈال دی۔ اسی سال اسامہ بن لادن نے امریکا کے خلاف علانیہ طور پر جہاد کا اعلان کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ وہ امریکا کے خلاف چھوٹے پیمانے پر کارروائیوں کے اہل ہیں۔ نومبر ۱۹۹۶ء میں انھوں نے ریاض اور سعودی عرب میں امریکیوں کے خلاف ہونے والے حملوں کی ستائش کی۔ اگلے سال ایک انٹرویو میں اسامہ بن لادن نے کہا کہ ''اگر کوئی (مسلمان) کسی امریکی فوجی کو قتل کر سکتا ہے تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی اور کام میں اپنا وقت ضائع کرے۔'' ۱۹۹۸ء میں امریکی حکومت نے پاکستان کی تنظیم ''حرکۃ الانصار'' سمیت دنیا بھر میں متعدد مجاہد تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے دیا۔ اسی سال فروری کے مہینے میں افغانستان کے پکتیا صوبے میں اسی طرح کی متعدد تنظیموں کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا جنھوں نے القاعدہ کی سرکردگی میں ایک اتحاد بنا کر امریکا کے خلاف جہاد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر القاعدہ میں جن تنظیموں کو مدغم کیا گیا ان میں مصر کی ''الجماعۃ الاسلامیہ''، مصر ہی کی ''اسلامی جہاد''، پاکستان کی ''حرکۃ الانصار''، فلپائن کی ''مورو'' اور ''ابوسیاف گروپ'' کے علاوہ شام کی ''حزب نصر'' اور یمن کے ''زندانی گروپ'' سمیت متعدد دیگر تنظیمیں شامل تھیں۔

اگست ۱۹۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں میں زبردست بم دھماکے ہوئے جس میں درجنوں افراد ہلاک ہو گئے۔ امریکا نے ان دھماکوں کے لیے اسامہ بن لادن کو ذمہ دار قرار دے کر طالبان کی حکومت سے ان کی سپردگی کا مطالبہ کیا، لیکن طالبان حکومت نے اس مطالبے کو سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ اس سلسلے میں امریکی حکومت نے سعودی عرب پر بھی دباؤ بڑھا دیا، لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا۔ چنانچہ اس کے چند روز بعد امریکا نے خوست اور جلال آباد میں اسامہ بن لادن کے کیمپوں پر کروز میزائل فائر کیے، جس میں بائیس افراد جو زیادہ تر ''حرکۃ الانصار'' کے کارکن تھے، ہلاک ہوئے، لیکن اسامہ بن لادن اور ان کے عرب ساتھیوں میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ان حملوں کے بعد اسامہ بن لادن نے اپنی سرگرمیاں مزید تیز کر دیں۔ افغانستان میں عرب مجاہدین کی آمد اور تربیت کا سلسلہ زور پکڑ گیا۔ طالبان حکومت میں اسامہ بن لادن کا اثر ورسوخ بڑھنے لگا۔ ان کے مجاہدین طالبان کے ہمراہ احمد شاہ مسعود کی فوجوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے لگے۔ دوسری طرف عرب ممالک میں امریکا مخالف شیوخ اور زیر زمین تنظیموں نے بھی اسامہ بن لادن کو امریکا کا حقیقی دشمن سمجھ کر سپورٹ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے ملکوں میں بھاری رقومات اکٹھی کر کے اسامہ بن لادن کو بھجواتے رہے۔ دوسری طرف امریکا مخالف ممالک کے انٹیلی جنس ادارے بھی اسامہ بن لادن کی مدد کے لیے آگے بڑھے۔ سعودی انٹیلی جنس کے سربراہ ترکی الفیصل کی امداد اس کے علاوہ تھی۔ چنانچہ اکاؤنٹ منجمد ہونے کے باوجود اسامہ بن لادن کے مالی وسائل روز بروز بڑھتے رہے۔ اپنی تنظیم کی سرگرمیوں اور لوگوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ وہ یہ رقم طالبان حکومت کو بھی فراہم کرتے رہے جس کی وجہ سے طالبان کا وقت کے ساتھ ساتھ ان پر انحصار بڑھتا گیا۔ عالمی پابندیوں کا اگر طالبان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا تو اس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسامہ بن لادن بڑی حد تک ان کے اخراجات پورے کرتے رہے۔ یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی کہ طالبان تحریک کے متعدد رہنما بالخصوص کابل میں براجمان لوگ اسامہ بن لادن کے مخالف تھے، لیکن اسامہ بن لادن کی مذکورہ حیثیت کی وجہ سے وہ ملا محمد عمر کو اسامہ سے متعلق پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور نہ کر سکے۔

فروری ۱۹۹۹ء میں عالمی دباؤ میں کمی لانے کے لیے ایک روز اچانک طالبان نے اعلان کیا کہ اسامہ بن لادن افغانستان چھوڑ کر چلے گئے ہیں، لیکن کچھ عرصہ بعد اسامہ دوبارہ نہ صرف منظر عام پر آئے، بلکہ اپنے ٹریننگ کیمپوں کی ایک وڈیو بھی ریلیز کرائی۔ اسامہ بن لادن، ستمبر ۲۰۰۱ء تک امریکا اور طالبان کے مابین وجہ نزاع بنے رہے کہ امریکا میں گیارہ ستمبر کی دہشت گردی کے ہول ناک واقعے نے امریکا سمیت پوری دنیا کو لرزا دیا۔ امریکیوں نے ان حملوں کے لیے اسامہ بن لادن کو ذمہ دار قرار دے دیا۔ طالبان کی طرف سے اسامہ بن لادن کو امریکا کے حوالے کرنے سے انکار کی وجہ سے امریکا نے افغانستان کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کیا۔ اس کارروائی کے لیے اس نے اقوام متحدہ کی نیشنل سیکورٹی کونسل سے منظوری بھی حاصل کر لی، جبکہ دوسری طرف امریکا نے دباؤ ڈال کر پاکستان جیسے ممالک کو بھی طالبان کی حمایت سے دست بردار کرا دیا۔ چین اور روس جیسے ممالک نے بھی اس کارروائی میں امریکا کی حمایت کی۔ اس سب کچھ کے باوجود طالبان اسامہ بن لادن کے معاملے پر کسی قسم کی سودے بازی کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو امریکا نے طالبان کے خلاف باقاعدہ جنگ شروع کی۔ جس کے نتیجے میں طالبان کی حکومت تو ضرور ختم ہوئی، تاہم اسامہ بن لادن اور ملا محمد عمر بدستور زندہ ہیں۔ امریکی اب بھی اسامہ بن لادن کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتے ہیں اور افغانستان میں وقتاً فوقتاً القاعدہ کے وابستگان کی جانب سے مختلف پاکٹس کی صورت میں مزاحمت بھی ہو رہی ہے۔ افغانستان کی حالیہ جنگ میں اسامہ بن لادن کے نو قریبی لوگوں میں سے کوئی بھی ہلاک یا گرفتار نہیں ہو سکا۔ صرف ابوزبیدہ پاکستان کے شہر فیصل آباد سے گرفتار ہوئے ہیں، تاہم درحقیقت اسامہ کی تنظیم میں وہ اس قدر اہم نہیں تھے جس طرح کہ امریکا کی طرف سے تاثر دیا جاتا ہے۔

طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد اسامہ بن لادن ساتھیوں سمیت پاکستانی سرحد کے قریب واقع ننگرہار صوبے کے پہاڑی علاقے تورہ بورہ میں پہلے سے بنی ہوئی غاروں میں منتقل ہوئے۔ شمالی اتحاد اور امریکا کی فوجیں شدید بمباری کے بعد اس علاقے پر قابض ہو گئیں، تاہم اس وقت کے ننگرہار کے کور کمانڈر حاجی محمد زمان جو کمانڈر حضرت علی کے ہمراہ تورہ بورہ آپریشن کی نگرانی کر رہے تھے، کے بقول اسامہ بن لادن اپنے اہم ساتھیوں سمیت بحفاظت نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ حاجی محمد زمان نے مجھے بتایا کہ کمانڈر حضرت علی کے فوجی جو تورہ بورہ سے نکلنے والے راستوں پر مامور تھے، نے رشوت لے کر اسامہ اور ان کے ساتھیوں کو نکلنے کا راستہ دیا۔ تورہ بورہ کے بعد پکتیا صوبے کے علاقے شاہی کوٹ میں بھی امریکی افواج کو القاعدہ اور طالبان کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن شدید بمباری اور اس کے نتیجے میں متعدد افراد کی ہلاکت کے بعد اس علاقے کو بھی امریکی فوجوں نے قبضے میں لے لیا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امریکا افغانستان میں

اقبال نے افغانستان کو ایشیا کا دل قرار دیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ ایک صدی میں افغانستان ایشیا کا ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا کا دل بنا رہا۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہونے کے بعد سے اسے دنیا کے دو بڑے بلاکوں کے درمیان بفرسٹیٹ کی حیثیت مل گئی۔ ایک طرف سوویت یونین نے افغانستان پہ نظریں جمالیں تو دوسری طرف سرمایہ دار دنیا کا لیڈر برطانیہ، 'پہلے آؤ پہلے پاؤ'، کے محاورے کو ذہن میں رکھ کر بھوکے پیاسے، مگر غیور افغانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہوا۔ تب افغانستان دنیا کی دو سپر طاقتوں کی جنگ کا اکھاڑا بن گیا۔ دوسری جنگ عظیم تک یہ حالت رہی کہ ملک افغانوں کا تھا، لیکن اس کی سرحدوں کے تعین کے معاہدات سوویت یونین اور سلطنت برطانیہ کے مابین ہوتے رہے۔ جنگ عظیم کے بعد مغربی دنیا کی قیادت برطانیہ سے چھن کر، امریکا کے ہاتھ آئی تو سپر پاور کا منصب سنبھالتے ہی اس نے بھی اولین فرصت میں سوویت بلاک کے اس آخری مستقر پر نظریں جمالیں۔ دوسری طرف سوویت یونین گرم پانی تک پہنچنے کے لیے راستے میں حائل اس رکاوٹ کو عبور کرنے کے لیے پے در پے قدم اٹھا رہا تھا۔ بظاہر تو امریکا سوویت یونین کی فوج کشی کے بعد کھل کر افغانستان میں دخیل ہونے لگا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے بہت پہلے سے افغانستان کے اندر متحرک تھی۔ اسی طرح سفارتی محاذوں پر بھی وہ افغانستان کو اپنا مہرہ بنانے کے لیے کوشاں رہا، لیکن چونکہ سوویت یونین افغانستان کی سرحد پر، جبکہ امریکا سات سمندر پار واقع تھا اور کمیونسٹ نظریات بھی بڑی حد تک افغان لیڈرشپ میں سرایت کر چکے تھے، اس لیے امریکا کا کردار اس قدر نمایاں نہیں رہا، جیسا کہ سوویت یونین کا تھا۔ امریکا اور افغانستان کے مابین سفارتی تعلقات ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئے۔ اگرچہ ۱۹۵۰ء میں امریکا نے افغانستان کی طرف سے دفاعی شعبے میں تعاون کی درخواست مسترد کر دی، لیکن اقتصادی شعبے میں تعاون جاری رکھا۔ ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۹ء تک امریکا نے افغانستان کو قرضوں، گرانٹس اور دیگر شعبوں میں تقریباً پانچ سو ملین ڈالر اقتصادی امداد فراہم کی تھی۔ پلڑا سوویت یونین کا ضرور بھاری رہا، لیکن ۱۹۷۸ء تک افغانستان کی حکومت غیر جانب دار پالیسی پر عمل پیرا رہ کر دونوں بلاکوں کے ساتھ بہتر تعلقات کے قیام کے لیے کوشاں رہی، تاہم کمیونسٹ انقلاب کے بعد امریکا اور افغانستان کے تعلقات نہ صرف انتہائی کشیدہ ہو گئے، بلکہ فروری ۷۹ء میں کابل میں امریکی سفیر کے قتل کے ساتھ افغانستان کو تقریباً ہر قسم کی مالی امداد کی ترسیل بھی بند کر دی گئی۔ افغانستان میں سوویت یونین کی فوجی مداخلت کے بعد امریکا کھل کر میدان میں آ گیا اور مزاحمت کے لیے پاکستان کو بیس کیمپ بنا کر اس نے مجاہدین کی سپورٹ کے لیے نہ صرف ڈالروں کے انبار لگا دیے، بلکہ اپنے بلاک میں شامل عرب اور مغربی ممالک کے عسکری اور مالی وسائل کو بھی افغان جہاد میں جھونک دیا۔ امریکا نہ صرف افغانستان میں ویت نام کا بدلا لینا چاہ رہا تھا، بلکہ دیگر مغربی اتحادیوں کے ساتھ مل کر وہ افغانستان

کو اپنے لیے وقت کے سب سے بڑے خطرے یعنی کمیونزم کا قبرستان بھی بنانا چاہ رہا تھا۔ اس دوران میں امریکا نے افغانستان کی جہادی قوتوں کو کھل کر سپورٹ کیا۔ اسی طرح اسامہ بن لادن کی طرح ہزاروں عرب مجاہدین کو ترغیب دلانے، افغانستان لانے اور سپورٹ کرنے میں بھی امریکی سی آئی اے کا کردار بنیادی نوعیت کا رہا۔ پاکستان میں امریکا نے جہاد افغانستان کے سب سے بڑے علم بردار جنرل محمد ضیاء الحق کی فوجی حکومت کو اسی طرح بسر و چشم قبول کر لیا جس طرح وہ اب جنرل پرویز مشرف کی حکومت کو کر رہا ہے۔ جنرل ضیاء کی حکومت کو ہر قسم کی فوجی اور سفارتی مدد فراہم کی گئی۔ یہ اسی افغان جہاد کی برکت تھی کہ امریکا نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر چشم پوشی کا رویہ اختیار کیے رکھا اور ایف سولہ طیاروں سمیت انواع واقسام کے جنگی ساز و سامان سے بھی پاکستان کو مسلح کرتا رہا۔ امریکا، افغانستان میں سوویت یونین کو شکست دینے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار تھا۔ یہاں تک کہ اس نے افغان جہاد کو سپورٹ کرنے والی پاکستان کی مذہبی تنظیموں کو بھی کھل کر سپورٹ کیا۔ ان تنظیموں کو براہ راست سپورٹ کرنے کے بجائے امریکا نے زیادہ تر اپنے اتحادی عرب ملکوں کے روٹ کا سہارا لیا اور یہی وہ دور تھا جب پاکستان میں دینی مدارس کی عمارتیں بلند ہونے لگیں اور مذہبی رہنما پجارو گاڑیوں اور ڈبل ڈور ڈاٹسنوں میں محافظین سمیت پھرتے نظر آنے لگے۔ امریکی سی آئی اے نے افغان جہادی گروپوں کو مالی سپورٹ فراہم کرنے کی خاطر ہیروئن کی پیداوار اور سمگلنگ پر نہ صرف چشم پوشی کا رویہ اختیار کیے رکھا، بلکہ بڑی حد تک خود بھی اس دھندے میں ملوث رہی۔

فروری ۸۹ء میں افغانستان سے سوویت افواج کی واپسی اور بعد ازاں گورباچوف کی پرسٹرائیکا کے نتیجے میں سوویت یونین کا شیرازہ بکھر جانے کی صورت میں امریکا کی مراد بھر آئی۔ کمیونزم کے خطرے کے ٹل جانے کے بعد اس نے افغان مجاہدین اور مہاجرین کے لیے اقتصادی امداد کی بندش اور فرنٹ لائن سٹیٹ یعنی پاکستان کو آنکھیں دکھانے میں دیر نہیں لگائی۔ بظاہر تو امریکا افغان معاملات سے لاتعلق ہو گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دوران میں بھی وہ افغانستان میں خفیہ، مگر بھرپور طریقے سے سرگرم عمل رہا۔ کمیونزم کے خطرے سے بے فکر ہو کر جب امریکی تھنک ٹینک سر جوڑ کے بیٹھ گئے تو انھیں احساس ہوا کہ افغانستان کے اندر وہ مجاہدین اور ہیروئن کی صورت میں نئے خطروں کو پروان چڑھا چکے ہیں۔ چنانچہ اب امریکا ان دونوں چیزوں کو ٹارگٹ بنا کر ان کے پیچھے پڑ گیا۔ لاکھوں مہاجرین کو پاکستان کے گلے ڈال دیا گیا۔ وہ مجاہدین، جنھیں مغربی میڈیا نے ہی مجاہدین کے خطاب سے نوازا تھا، رفتہ رفتہ گوریلے اور انتہا پسند بننے لگے۔ امریکا گلبدین حکمت یار جیسے بے لچک اور عالمی سوچ کے حامل لوگوں کو افغانستان کے حکمران نہیں دیکھنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اقوام متحدہ کے ذریعے سے ظاہر شاہ اور مغرب کے لیے قابل قبول دیگر لوگوں کو تخت کابل پر بٹھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ امریکی سی آئی اے نے متحارب مجاہد دھڑوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جس کے ذریعے سے ایک طرف ان قوتوں کو کمزور کرنا مقصود تھا تو دوسری طرف اس عمل کا ٹارگٹ وہ اسلحہ اور سٹنگر میزائل تھے، جو سوویت یونین کے خلاف امریکا ہی نے مجاہدین کو فراہم کیے تھے۔ اسی طرح امریکا نے ہیروئن کی پیداوار اور سمگلنگ، جو اہل مغرب اپنے لیے اپنا ہی پیدا کردہ خطرہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سمجھ رہے تھے، کو روکنے کے لیے دن رات ایک کیے رکھا۔ پاکستان کے اندر پہلی فرصت میں مجاہدین افغانستان کے سب سے بڑے پشتیبان اور وسط ایشیا تک عظیم اسلامی بلاک بنانے کے آرزومند جنرل محمد ضیاء الحق کو ان کے قریبی ساتھیوں سمیت ٹھکانے لگا دیا گیا اور بعدازاں آئی ایس آئی سے اسی سوچ کے علمبرداروں کو چن چن کر نکالا گیا۔

۱۹۹۴ء تک مجاہد تنظیموں کو ایک دوسرے سے خوب اچھی طرح پٹوایا گیا۔ افغانستان کے کونے کونے سے بیشتر سٹنگر میزائل اکٹھے کر کے سی آئی اے نے بھاری رقومات کے عوض مجاہد لیڈروں سے واپس خرید لیے اور جب مجاہدین کے ہاتھوں عالمی عزائم رکھنے والی اسلامی حکومت کے قیام کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا تو امریکا نے اپنی توجہ وسط ایشیا کے معدنی ذخائر کی جانب مبذول کر دی۔ اس کے لیے واحد میسر روٹ افغانستان ہی تھا، اس لیے اپنے زیردست واحد سیاسی اتھارٹی کے قیام کے لیے امریکا نے پاکستان اور سعودی عرب جیسے زیردست ممالک کے ساتھ مل کر طالبان کی صورت میں ایک نئی قوت کو ابھارنا شروع کر دیا۔ ان کے ذریعے سے مجاہدین کی رہی سہی قوت بھی پارہ پارہ کر دی گئی، لیکن یہاں بھی امریکا ایک بار پھر اس صورت حال سے دوچار ہوا جس سے وہ مجاہدین کے معاملے میں دوچار ہوا تھا۔ ترکمانستان سے گیس کی پائپ لائن بچھانے کے لیے امریکی کمپنی یونیکال کے بجائے، بریڈاس کو ترجیح دے کر طالبان نے امریکا پر واضح کر دیا کہ وہ اس کی توقعات کے مطابق نہیں چل سکتے۔ اسی طرح طالبان نے اقتدار میں آنے کے بعد اپنے فہم کے مطابق جس نظام کو رائج کیا، وہ مجاہدین کے تصور سے بھی دو قدم آگے تھا۔ طالبان کے اس رجحان کے ساتھ ساتھ ایک اور رجحان بھی برابر جاری رہا اور وہ یہ کہ اسامہ بن لادن کی زیر قیادت، امریکی سی آئی اے کی شہ پر جو عرب مجاہدین افغانستان میں تربیت پا گئے تھے، افغانستان سے فراغت کے بعد فطری طور پر ان کی نظریں فلسطین جیسے مسائل کی طرف اٹھنے لگیں۔ دوسری طرف اسامہ بن لادن نے سعودی حکومت کے ساتھ اپنے تنازعے کی وجہ عرب سرزمین پر امریکی فوجوں کی موجودگی بتائی اور وہ ان کو نکالنے کے عزم کے ساتھ سرگرم عمل ہو گئے۔ تیسری بات یہ تھی کہ اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں نے جہاد کے جس تصور کو اپنایا تھا، وہ ان کے ایمان و یقین کا حصہ بن گیا تھا۔ وہ تصور جہاد صرف سوویت یونین تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس کی زد میں ہر طاغوت نے آنا تھا اور چونکہ سوویت یونین کے بعد امریکا واحد سپر طاقت بن گیا، اس لیے فطری طور پر سب سے بڑے طاغوت کی جگہ اس نے لے لی۔ ادھر یہ حقیقت اپنی جگہ موجود تھی کہ عربوں کے سب سے بڑے دشمن یعنی اسرائیل کا اصل سرپرست امریکا تھا چنانچہ اس حوالے سے بھی امریکا ان عرب مجاہدین کا دشمن نمبرون قرار پایا۔ ادھر خود امریکی دانش وروں نے سوویت یونین کے زوال کے بعد اس جہادی کلچر، جسے کسی زمانے میں خود انھوں نے پروان چڑھایا تھا، کو اپنی سلامتی کے لیے مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ قرار دینا شروع کیا اور ان کی حکومت جہادی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف کارروائیوں میں مگن ہو گئی۔ ماضی میں امریکا کے حلیف، لیکن حال کے یہ دشمن، عرب مجاہد اسامہ بن لادن کی قیادت میں افغانستان میں جمع ہو گئے تھے۔ گزشتہ صدی کے آخری عشرے کے آغاز سے ہی یہ لوگ امریکا کے خلاف ہونے والی دہشت گردی کی مختلف کارروائیوں

کے ملزم قرار دیے جانے لگے۔ دوسری طرف انھوں نے بھی جوابی کارروائیاں تیز کرتے ہوئے اپنی قوت کو افغانستان میں جمع کرنا شروع کیا۔ امریکا کے یہ شدید ترین مخالف، مجاہدین سے ہوتے ہوئے طالبان کے پاس آ پہنچے اور طالبان نے نہ صرف انھیں اپنے ہاں پناہ دے دی، بلکہ بڑی حد تک اپنے معاملات کو بھی ان کے سپرد کر ڈالا۔ ان لوگوں کی وجہ سے ایک بار پھر امریکا افغانستان میں خصوصی دلچسپی لینے لگا۔ اسامہ بن لادن کے ایشو پر وہ طالبان کے خلاف مختلف اطراف سے دباؤ ڈالتا رہا لیکن طالبان کسی صورت سودے بازی پر آمادہ نہ ہوئے۔ اگست ۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں کے اندر بم دھماکوں کے بعد امریکا نے افغانستان میں اسامہ بن لادن کے ٹھکانوں پر میزائلوں کے حملے کیے، جس کے بعد طالبان اور اسامہ بن لادن کے ساتھ امریکا کی دشمنی میں مزید شدت آ گئی۔ امریکا اور طالبان کے درمیان یہ کشمکش ستمبر ۲۰۰۱ء تک جاری رہی۔ اس دوران میں طالبان شمالی اتحاد سے بھی برسر پیکار رہے۔ امریکا طالبان کی حکومت کو ہٹانا چاہ رہا تھا، لیکن وہ طالبان مخالف شمالی اتحاد کو سپورٹ کرنے سے بھی گریزاں تھا۔ شمالی اتحاد چونکہ بڑی حد تک روس اور ایران کے زیر اثر تھا، اس لیے امریکا نے طالبان کے مقابلے میں اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کے بجائے، ایک تیسری قوت کو ابھار کر طالبان کے مقابلے میں کھڑا کرنے کی درپردہ کوششیں جاری رکھیں، لیکن گیارہ ستمبر کو امریکا میں دہشت گردی کے واقعات نے امریکا سمیت تمام فریقوں کے منصوبوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ امریکا نے گیارہ ستمبر کے واقعات کے لیے اسامہ بن لادن کو ذمہ دار ٹھہرادیا اور ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ سے طالبان اور القاعدہ کے خلاف بھرپور جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ طالبان اور القاعدہ کو بہر صورت زیر کرنے کی خاطر امریکا نے نہ صرف شمالی اتحاد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا، بلکہ عالمی سطح پر ایک اتحاد قائم کر کے دنیا کے کئی دیگر ممالک کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا۔ امریکی کارروائیوں کے نتیجے میں ۲۰۰۱ء کے اواخر میں طالبان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ امریکا کی اشیر باد سے دسمبر ۲۰۰۱ء میں جرمنی کے شہر بون میں طالبان اور ان کے حامیوں کے سوا تقریباً تمام افغان دھڑوں کا نمائندہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اگلے چھ ماہ کے لیے حامد کرزئی کو عبوری حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اس حکومت میں فیصلہ کن اور موثر حصہ وزیر دفاع جنرل قاسم فہیم کی زیر قیادت شمالی اتحاد کے اس گروپ کو دیا گیا جو ماضی میں احمد شاہ مسعود سے متعلق تھا۔ کرزئی حکومت کے قیام کے بعد بھی امریکی اور برطانوی افواج القاعدہ اور طالبان کے بقایاجات کے خلاف سرگرم عمل رہیں۔ اس کے بی ۵۲ طیارے بھی وقتاً فوقتاً مختلف علاقوں میں بمباری کرتے رہے جس میں بعض اوقات معصوم اور بے گناہ شہری بھی بڑی تعداد میں نشانہ بنتے رہے۔ طالبان کے خلاف کارروائی کے آغاز سے قبل امریکا نے ایک بار پھر اپنے ماضی کی تاریخ دہرا دی اور ہر طرح کی اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہوئے ہر اس چھوٹی بڑی قوت کا سہارا لیا جو اس عمل میں اس کے کام آ سکتی تھی۔ ماضی کی طرح پاکستان میں جنرل پرویز مشرف کی حکومت کو شرف قبولیت بخش دی گئی اور دباؤ ڈال کر طالبان کے اس دیرینہ دوست کو بھی اپنے ساتھ ان کے خلاف لا کھڑا کیا۔ پاکستان نے امریکا کو لاجسٹک اور انٹیلی جنس کے میدانوں میں مدد فراہم کی ۔ امریکی فوجیں پاکستان کے ہوائی اڈوں پر بدستور موجود ہیں جب کہ القاعدہ کے خلاف پاکستانی قبائلی علاقوں میں، پاکستانی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ادارے امریکی کمانڈوز اور ایف بی آئی کی نگرانی میں آپریشن کر رہے ہیں۔

بون کانفرنس میں طے پانے والے معاہدے کی رو سے جون ۲۰۰۲ء میں، افغانستان کے مستقبل کی عبوری حکومت کی تشکیل کے لیے کابل میں لویہ جرگہ طلب کیا گیا۔ جرگے کے انعقاد اور فیصلوں میں فیصلہ کن کردار امریکا ہی ادا کرتا رہا اور افغانستان کے لیے امریکی صدر بش کے خصوصی نمائندے زلمے خلیل زاد مختلف عہدوں کے لیے افراد کو نامزد کر کے لویہ جرگہ سے اس کی توثیق کراتے رہے۔ لویہ جرگے کے فیصلے کی رو سے حامد کرزئی کو اگلے اٹھارہ ماہ کے لیے عبوری سربراہ مقرر کیا گیا، جن کی حکومت اس دوران میں عام انتخابات کی راہ ہموار کرے گی۔ اس حکومت میں بھی وزیر دفاع جنرل فہیم کی زیر قیادت شمالی اتحاد ہی کو فیصلہ کن کردار دیا گیا ہے۔

طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد عملاً افغانستان پر امریکی کنٹرول قائم ہو گیا ہے، لیکن جہاں ایک طرف روپوش اسامہ بن لادن اور طالبان امریکا کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں وہاں دوسری طرف ایک بار پھر افغانستان کے اندر عالمی قوتوں کی کھینچا تانی زور پکڑ گئی ہے۔ امریکا نے بادل ناخواستہ شمالی اتحاد کو تو بطور اتحادی قبول کر لیا ہے، اور اس وقت برسرزمین وہی سب سے موثر قوت ہے، اس لیے اس کے ساتھ ٹکر نہیں لی جا رہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکا اس کے اثر کو گھٹا کر ان کے مقابلے میں حامد کرزئی اور اسی نوع کے دیگر مغرب کے زیر اثر لوگوں کو آگے لانا چاہتی ہے۔ دوسری طرف روس شمالی اتحاد کو سپورٹ کر رہا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ افغانستان پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے۔ اسی طرح ایران شیعہ دھڑوں کے ساتھ ساتھ اسماعیل خان جیسے اپنے اتحادیوں کو محتاط، مگر انتہائی موثر طریقے سے سپورٹ کرنے لگا ہے۔ گیارہ ستمبر کے بعد افغان پالیسی میں یوٹرن لینے کے بعد اگرچہ پاکستان یوں تو افغانستان سے ہاتھ اٹھا چکا ہے جب کہ اس کے سلامتی کے اداروں کو مشرقی سرحد پر ہندوستان نے بھی بری طرح مصروف کر دیا ہے، لیکن وہ بھی افغانستان کی صورت حال سے آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھا ہے اور کسی حد تک اس کے متعلقہ ادارے ایک بار پھر اپنا کردار ادا کرنے کے لیے انگڑائیاں لینے لگے ہیں۔ خود یورپی یونین کے ممالک اگرچہ جنگی کارروائیوں میں امریکا کے شانہ بشانہ رہے، لیکن افغانستان کے سیاسی مستقبل کے لیے وہ جو ایجنڈا اپنے ذہن میں رکھتے ہیں، وہ بڑی حد تک امریکا کے ایجنڈے سے متصادم نظر آتا ہے۔ اسی طرح ترکی، جس نے برطانیہ کے بعد امن فوج کی قیادت سنبھال لی ہے، افغانستان کے اندر رشید دوستم کی صورت میں اپنا پسندیدہ گروپ رکھتا ہے۔ گیارہ ستمبر کے بعد جو جذباتی فضا پیدا ہو گئی تھی، اس نے افغانستان کے اہم پڑوسی ممالک مثلاً ایران، چین اور روس کو نہ صرف وقتی طور پر خاموش رکھا، بلکہ انھوں نے افغانستان پر مکمل امریکی کنٹرول جیسے اہم واقعے پر بھی آنکھیں بند کیے رکھیں، لیکن امریکا خطے میں مستقبل کے جو عزائم رکھتا ہے، ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ممالک بہت جلد خاموشی کا روزہ توڑ دیں گے۔ اس تجزیے سے اگر اتفاق کر لیا جائے تو یہ کہنا بالکل بجا نظر آتا ہے کہ مستقبل میں افغانستان ایک بار پھر عالمی شاطروں کے کھیل کا اکھاڑہ بننے والا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اے کاش

یہ واقعہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ پیش آیا جن کی دین کے ساتھ شعوری وابستگی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ ان کے زیورات چوری ہوگئے ہیں۔ چوری کے واقعے کی تفصیلات کے دوران میں انھوں نے بتایا کہ حادثے کے بعد انھوں نے سوچا کہ اے کاش وہ یہ زیورات اپنے ہاتھ سے کسی ضرورت مند کو دے دیتیں اور یوں آخرت میں اجر کی مستحق قرار پاتیں۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ خیال آتے ہی اے کاش...... اے کاش کی صدائے بازگشت اسے بار بار سنائی دینے لگی۔ ان کا ذہن اس حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ کہیں آخرت میں نیک اعمال کی کمی کی وجہ سے خدا کے حضور بھی یہ کہنے کی نوبت نہ آجائے کہ دنیا کی زندگی میں مجھے خدا کو راضی کرنے کا موقع ملا، مگر میں نے اسے گنوا دیا، اے کاش! میں اس مہلت حیات سے صحیح فائدہ اٹھاتی اور...... اور اے کاش میں فلاں فلاں نیک عمل بھی کر لیتی۔ انھوں نے کہا: اس پر مجھے دل میں ایک گونہ اطمینان محسوس ہوا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے متاع دنیا کے نقصان کے عوض میرے اندر ابدی زندگی کے خسارے اور اس سے بچنے کا احساس زندہ کر دیا۔

قیامت کا زلزلہ جب انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرے گا تو لوگ عالم کے پروردگار سے بے پروائی اور سرکشی کی روش پر اظہار حسرت کریں گے۔ اور اعتراف جرم کے بعد جب انھیں دوزخ کے کنارے پر لا کھڑا کیا جائے گا تو وہ پکار اٹھیں گے:

> ''...... اے کاش ہم (دنیا کی زندگی میں) پھر واپس کیے جائیں کہ مانیں اور اپنے رب کی تکذیب نہ کریں اور ایمان والوں میں سے بنیں۔'' (الانعام ۶: ۲۷)

انسان کی بدقسمتی ہے کہ وہ آخرت سے غفلت کے نتیجے میں شیطان کا لقمۂ تر بن کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے اور قیامت میں خدا کے حضور حاضری سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اے کاش وہ اللہ کے اس فیصلے کو جان لیتا کہ:

> ''جو دنیا کی زندگی اور اس کے سروسامان کے طالب ہوتے ہیں، ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور جو کچھ انھوں نے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیا کرایا ہے، سب حبط ہو جائے گا اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔'' (ہود ۱۱: ۱۵۔۱۶)

ــــــ محمد اسلم نجمی

کرنسی ویلیو

میں اپنے کلینک کے لیے دوائیں خریدنے کے لیے میڈیسن مارکیٹ جاتا ہوں تو کوشش کرتا ہوں کہ جیب میں موجود سب رقم وہیں استعمال ہو جائے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس رقم کا بہترین مصرف مارکیٹ میں خرچ ہونا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جب واپس جاؤں گا تو ایک روپے والی چیز سوا یا ڈیڑھ روپے میں ملے گی۔ یوں گھر لوٹتے ہی میری کرنسی کی ویلیو پندرہ سے چالیس فی صد تک کم ہو جائے گی۔ یہ اس دنیا کا دستور ہے۔ جس کام کا جہاں زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، ہم اسے وہیں انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاروبار اور کام کاج کے لیے گھر سے باہر جاتے ہیں، کیونکہ گھر میں بیٹھ کر روزی کمانا مشکل ہے۔ آرام اور سونے کے لیے گھر پلٹ آتے ہیں، اس لیے کہ باہر کیا آرام ملے گا۔ پکنک کے لیے مضافات کا رخ کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شہر کے شوروغوغا میں تفریح نہیں ہوتی۔

یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا۔ دنیا میں جو کام کریں گے اگلے جہاں میں اسی کا بدلہ پائیں گے۔ یہاں عمل نہ کیا ہوگا تو صلہ ملنے کا سوال ہی نہیں۔ لیکن ہماری بے عملی دیکھ کر لگتا ہے کہ ہم نے عمل آیندہ جہان کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ اس جگہ جہاں کام کرنے کو کہا جائے گا نہ اس کا بدلہ ملے گا۔ ہمارا خیال ہے کہ اس جہان میں نماز پڑھیں گے، روزہ رکھیں گے اور مخلوق کی بھلائی کے بارے میں سوچیں گے۔ اس دروغ گو دنیا میں جہاں زاہد و فاسق سب جھوٹ بولتے ہیں، ہم بھی جھوٹ سے کام چلاتے ہیں، کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ جنت میں جا کر سچ بولا کریں گے۔ اس ڈنڈی مار بازار میں ہم کم تولتے ہیں، نیت ہے کہ بازارِ عقبیٰ میں پورا تول تولیں گے۔ یہاں رشوت دیتے دلاتے ہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ بہشت کے رضوان کو رشوت دینے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

شاید ہمیں معلوم نہیں کہ کام کرنے کی جگہ دنیا ہے آخرت نہیں اور دنیا میں کیے ہوئے عملوں کو آخرت میں بدلا جا سکے گا نہ اس بات کی سہولت ملے گی کہ اچھے اعمال بجا لا کر برے اعمال کے اثرات کو زائل کیا جائے۔ ہاں دنیا میں توبہ اور اچھے اعمال کے ذریعے سے ایسا کرنے کی سہولت ہمیں حاصل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ توبہ کا سلسلہ ختم نہ ہوگا حتیٰ کہ سورج مغرب سے نکل آئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نام لوگوں کو بتاتے ہوئے محمد اور احمد کے ساتھ نبی توبہ بھی ارشاد فرماتے۔ دنیا میں ہماری کرنسی عمل اور صرف عمل ہی ہے اور نماز، روزہ، حج اور دوسری عبادات کی طرح توبہ بھی ہماری کرنسی کی ایک شکل ہے۔ ہمیں اس دنیا ہی میں اسے خرچ کر لینا چاہیے، اس لیے کہ اگلے جہان میں اسے ڈی ویلیو ہونا ہے۔

ـــــــ محمد وسیم اختر مفتی

اسباب اور مسبب الاسباب

چیزیں جس طرح اپنے بننے میں اللہ کی محتاج ہیں، اسی طرح اپنے استعمال ہونے میں بھی اللہ ہی کی محتاج ہیں۔ حالات جہاں آنے میں اللہ کے محتاج ہیں، وہاں جانے میں بھی اللہ کے محتاج ہیں۔ چنانچہ جس طرح انسان کا یہ یقین اور علم درست ہونا ضروری ہے کہ بجلی بلب کی طاقت سے نہیں، بلکہ اس کے پس منظر میں کسی ڈیم یا بجلی گھر کے نظام کی طاقت سے آ رہی ہے، اسی طرح، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اس کا یہ یقین رکھنا بھی ضروری ہے کہ پانی میں بذات خود پیاس بجھانے کی طاقت نہیں، بلکہ یہ طاقت پانی بنانے والے کے پاس ہے۔ آگ میں خود سے جلانے کی طاقت نہیں، بلکہ وہ بھی اپنے اس فعل میں اللہ کی محتاج ہے۔ انسان کی آنکھ اصل میں ہر چیز کی ابتدا اور انتہا کو نہیں دیکھتی، بلکہ درمیان کو دیکھتی ہے۔ یہ دنیا حقیقت میں درمیان ہے۔ انسان آج اپنی ابتدا اور انتہا سے بے خبر اس وادی وسط کی رنگینی میں کھو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کو ذرا سا بھی شعور اپنی حقیقت اور حیثیت کا ہو جائے تو وہ بے شک اسباب کو اختیار تو کرے گا، لیکن ایک لمحے کو بھی اس کی نظر اور توجہ مسبب الاسباب سے ہٹنے نہ پائے گی۔ بلکہ اس کا رواں رواں یہ پکار اٹھے گا کہ یا اللہ آپ جتنے غنی ہیں، میں اتنا ہی محتاج ہوں، آپ جتنے علیم ہیں، میں اتنا ہی بے خبر ہوں، آپ جتنے بصیر ہیں میں اتنا ہی اندھا ہوں، آپ جتنے قوی ہیں، میں اتنا ہی کمزور و ناتواں ہوں اور آپ جتنے قادر ہیں، میں اتنا ہی بے بس و عاجز ہوں۔ اور پھر یہ اعتراف حقیقت کرتے ہوئے اگر انسان اپنے مالک سے یوں کہہ دے کہ میرے مالک میری بے بسی اور ضعف پر رحم فرما تو یقین جانیے کہ کچھ دیر نہ ہوگی کہ رب رحیم کی رحمت اسے بڑھ کر تھام لے گی۔

ـــــــ صدیق شاہ بخاری

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ریحان احمد یوسفی

''سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک''

مصنف: میاں محمد افضل

ضخامت: ۵۶۵

قیمت: ۳۶۰ روپے

ناشر: الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، اردو بازار، لاہور

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تاریخ کا علم کئی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی اہمیت کا سب سے نمایاں پہلو غالباً یہ ہے کہ اس علم سے انسان نہ صرف اپنا رشتہ ماضی سے جوڑے رکھتا ہے، بلکہ مستقبل کی رہنمائی بھی انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ مزید براں یہ کہ تاریخ ماضی کی ایک داستان ہے اور داستان سننا اور سنانا ہمیشہ سے ایک دلچسپ امر رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے تاریخ سے دلچسپی کا ایک اضافی سبب بھی پایا جاتا ہے۔ عام انسانوں کے برعکس جنھیں صرف اپنے خطے، نسل اور قوم کی تاریخ سے تعلق ہوتا ہے، مسلمان دنیا کے ہر اس علاقے کی تاریخ کو جس سے کبھی بھی امت مسلمہ کا واسطہ رہا ہو، اپنی تاریخ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کا مسلمان بغداد و اسپین کی تاریخ میں بھی اتنی ہی دلچسپی رکھتا ہے جتنی ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ میں۔

ہماری اس تمہید کا سبب یہ ہے کہ زیر تبصرہ کتاب تاریخ سے متعلق ہے اور اس میں قارئین کی دلچسپی کے وہ تمام پہلو پائے جاتے ہیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ کتاب کا نام ''سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک'' ہے اور کتاب کے مصنف میاں محمد افضل صاحب ہیں۔

عام طور پر ایک تاریخی کتاب میں کسی خاص دور کے تمام واقعات زمانی ترتیب سے بیان کر دیے جاتے ہیں۔ تاہم اس کتاب میں مصنف نے اسلامی تاریخ کے انھی واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جن کا تعلق، جیسا کہ کتاب کے نام سے

ظاہر ہے، مسلمانوں کے زوال سے ہے۔ اس سے مصنف کا مقصود قدرت کے اس قانون کا بیان ہے جو قوموں کے زوال کے پس پشت ہمیشہ سے کارفرما رہا ہے۔ چنانچہ وہ کتاب کی ابتدا میں قانون خداوندی کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''قانون خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا، حد سے باہر نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ قانون الٰہی یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی قوم یا حکمران کو ہمیشہ غلبہ حاصل نہیں ہوتا اور قوموں کے درمیان ایام میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، قانون قدرت یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنے اندر تبدیلی کا خیال پیدا نہیں کرتی اس کی حالت تبدیل نہیں ہوتی .... خرابی ہمیشہ اندر سے واقع ہوتی ہے اور پھر سرطان کی طرح پورے نظام کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب پھوڑا متعفن ہو جاتا ہے تو پھر نشتر اور آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے، قدرت کا کوڑا برستا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ یہ کوڑا کبھی چنگیز کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، کبھی ہلاکو کی صورت میں، کبھی تیمور کی صورت میں، کبھی نادر شاہ کی صورت میں اور کبھی آپس میں لڑلڑ کر مرنے کی صورت میں۔ قدرت کی طرف سے یہ عذاب اس وقت نازل ہوتے ہیں جب اصلاح کا جذبہ اجتماعی طور پر ختم ہو جائے یا اصلاح کی طرف متوجہ کرنے والے مٹھی بھر عناصر کی بات نہ سنی جائے، بلکہ ان کی تذلیل کی جائے۔ قدرت جلدی کسی قوم سے ناامید نہیں ہوتی، انتظار کرتی ہے۔ آخری اور کاری ضرب اس وقت لگائی جاتی ہے جب خیر کا عنصر قومی جسد سے خارج ہو جاتا ہے۔'' (۱۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ پوری کتاب ماضی میں مسلمانوں میں پیدا ہو جانے والے مذکورہ بالا سرطان اور اس کے نتیجے میں کیے جانے والے فطرت کے آپریشن کی روداد ہے۔ اس روداد کو دہرانے سے مصنف کا مقصد مسلمانوں کو ان رویوں پر متنبہ کرنا ہے جن کی بنا پر وہ ماضی میں شکست، تباہی اور رسوائی کا شکار ہوئے۔ لہٰذا مصنف نے ان تمام موقعوں پر جب کہ مسلمانوں کو شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا، تباہی، بربادی اور رسوائی کے واقعات کے ساتھ ساتھ اس دور میں مسلمانوں کے رویوں اور حالات کا بھی تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔ کتاب کا آغاز سقوط بغداد کی داستان سے ہوتا ہے اور اختتام سقوط ڈھاکہ پر۔ بیچ میں تیمور کے ہاتھوں عالم اسلام کے مشرقی ممالک، عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانانِ اندلس، زارِ روس کے ہاتھوں وسط ایشیائی ریاستوں، انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانان ہند اور یورپی اقوام کے ہاتھوں ترکان عثمانی کی تباہی کی سرگزشت بھی بیان ہوئی ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ کا پہلا اور غالباً سب سے بڑا زوال، جس کے نتائج ہم آج تک بھگت رہے ہیں، وہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد اور خلافت عباسیہ کی تباہی ہے۔ یہ صرف عربوں کی حکومت کا ہی خاتمہ نہ تھا، بلکہ علم و فن کے میدان میں مسلمانوں کی برتری کا خاتمہ تھا۔ تاتاری یلغار کا آغاز چنگیز خان سے ہوا۔ خوارزم شاہ کی ایک حماقت کی بنا پر کہ اس نے چنگیز خان کے سفیروں کو قتل کرا دیا تھا، چنگیز خان کو اہل اسلام پر حملے کا جواز مل گیا۔ اس کے بعد اس نے اور اس کی اولاد نے مسلمانوں پر تباہی اور ہلاکت کے وہ دروازے کھولے جس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ اس تباہی کا نقطۂ عروج سقوط بغداد تھا۔ مصنف نے اسی سانحہ کے بیان سے کتاب کا آغاز کیا ہے اور اسے مسلمانوں پر عذاب الٰہی کا پہلا کوڑا قرار دیا ہے۔

سقوط بغداد کا فوری سبب مصنف نے بجا طور پر مسلمانوں کے باہمی افتراق کو قرار دیا ہے جس کے نتیجے میں ایک فریق خلافت کی بربادی پر آمادہ ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ تاتاری قتل عام کرتے وقت لوگوں کا مسلک نہیں پوچھتے تھے۔ تاہم خلافت بنو عباس کے پیچھے زوال کی ایک طویل داستان تھی جس نے بتدریج اس کی سلطنت کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ مصنف نے دوسرے باب میں مختصراً اسی داستان کو بیان کیا ہے کہ کس طرح خلفاے بنو عباس نے اپنے اپنے دور اقتدار میں اخلاقی طور پر پست کرداری کا ثبوت دیا۔

اس میں شک نہیں کہ بغداد کی تباہی ایک عظیم سانحہ تھی، تاہم اس کے بعد ہونا یہ چاہیے تھا کہ مسلمانوں میں کوئی اصلاحی تحریک اٹھتی جو ان اسباب وعوامل کا گہرا تجزیہ کرتی جن کی بنا پر مسلمان اس حال کو پہنچے، لیکن اس کے بجائے مسلمانوں نے بے عمل تصوف کی ردا اوڑھ کر خود کو گردش دوراں سے الگ کر لیا۔ اگلی دو تین صدیوں میں، چند مستثنیات کو چھوڑ کر، علم وفن، تہذیب وتمدن، سیاست ومذہب غرض ہر میدان میں مسلمانوں پر موت طاری ہو گئی۔ چنانچہ قدرت کا طاقت ور ہاتھ ایک دفعہ پھر حرکت میں آیا۔ اس دفعہ اس نے ہاتھ میں جو کوڑا اٹھایا وہ گرچہ مسلمان تھا، مگر تھا تاتاری۔ دنیا اسے تیمور لنگ کے نام سے جانتی ہے۔ تیمور کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں:

> ''اس نے چھتیس سال حکومت کی اور اس عرصے میں دیوار چین سے ماسکو اور جنوب میں دریائے گنگا کے ساحل سے لے کر دریائے نیل تک کے وسیع وعریض علاقے کو فتح کیا اور اپنے تابع کیا۔ دنیا میں وہ اس اعتبار سے ایک بے مثال فاتح ہے کہ مشہور فاتحین عالم جیسے خسروئے اعظم، اسکندر یونانی، چنگیز خان، ہلاکو، ایٹلا، شارلمین اور نپولین وغیرہ میں سے کسی نے بھی اتنے زیادہ ملک فتح نہیں کیے تھے۔ چنگیز خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تیمور ان بستیوں اور شہروں کو بالکل برباد کر دیتا تھا جو اس کے سامنے ذرا بھی مزاحمت کرتے تھے۔''

مصنف نے تیسرے اور چوتھے باب میں بالتفصیل اس تباہی کی داستان بیان کی ہے جو تیمور کے ہاتھوں، عثمانی حکومت، ایران اور ہندوستان کے لوگوں پر مسلط ہوئی۔ ساتھ ساتھ اس دور کے لوگوں کی اخلاقی حالت کا تفصیلی نقشہ بھی کھینچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تباہی کی یہ داستان پڑھنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب کسی معاشرے میں اجتماعی اخلاقیات دم توڑنے لگتی ہیں اور لوگ اجتماعی خیر وشر سے بے نیاز ہو کر اپنے اپنے معاملات میں مگن ہو جاتے ہیں تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر کوئی بڑی اور عظیم الشان تباہی جنم لیتی ہے۔ پہلے ان پر ظالم اور بدکردار حکمران مسلط ہوتے ہیں اور اس کے بعد باہمی خانہ جنگی یا کسی بیرونی طاقت کی یلغار سے ہر نیک وبد بلاتفریق بربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔

قرون وسطیٰ میں مسلمانوں پر جو ہمہ گیر غفلت طاری ہوئی، اس کے نتیجے میں کم وبیش تمام متمدن اسلامی دنیا پر خدا کے قہر کا کوڑا برس چکا تھا۔ تاہم ابھی تک مسلمانوں کے مغربی حصے میں واقع اسپین کی عظیم الشان حکومت کو خدا کی طرف سے ڈھیل مل رہی تھی۔ مگر کب تلک؟ آخر کار اس کا نمبر بھی آ گیا۔ مصنف نے اگلے تین ابواب اسی عظیم الشان مسلم تہذیب کی نذر کیے ہیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جس نے آٹھ صدیوں تک یورپ میں اسلام کی شمع جلائے رکھی۔ مصنف نے انتہائی تفصیل سے مسلم اسپین کے عروج وزوال کا نقشہ کھینچا ہے۔ ابتدائی تین صدیاں جن میں اسپین پر اموی خلفا برسر اقتدار رہے مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ ان کے آخری دور میں مسلمانوں کے زوال کا آغاز ہوگیا۔ لیکن قدرت مسلمانوں کو مہلت دینے پر آمادہ تھی۔ چنانچہ افریقہ سے پہلے مرابطین اور پھر موحدین کی مدد کے سہارے مسلمانان اندلس اپنے وجود کو عیسائی مگرمچھوں سے بچانے میں کامیاب رہے۔ تاہم جب کوئی قوم اندر سے کمزور ہوجائے تو خارجی سہارے زیادہ دیر تک اس کو زندگی نہیں دے سکتے۔ ۱۲۱۲ء میں موحدین کی شکست کے بعد مسلمان اندلس میں بتدریج سکڑتے چلے گئے۔ شائد قدرت مسلمانوں کو ایک ساتھ پوری دنیا میں تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی وگرنہ یہ وہی دور تھا جس میں چنگیز کے لشکر مشرقی ممالک کی مسلم بستیوں کو کھنڈروں میں بدل رہے تھے۔ چنانچہ پورے اسپین پر عیسائیوں کے قبضے کے باوجود ڈھائی صدی تک غرناطہ مسلمانوں کی واحد جائے پناہ بنا رہا اور آخر کار ۱۴۹۲ء میں غرناطہ میں بھی مسلم اقتدار کا سورج ڈوب گیا۔ مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھائے گئے۔ انھیں بے دریغ قتل کیا گیا۔ جبراً ان کا مذہب تبدیل کرایا گیا۔ ۱۶۰۹ء میں عیسائیوں نے آخری مسلمانوں کو بھی اسپین چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ یوں عیسائیوں نے اسپین کی زمین کو مسلمانوں کے وجود سے ''پاک'' کر دیا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ وہ کہانی ہے جو مصنف نے ان تین ابواب میں بیان کی ہے۔ اسپین کی اس دردناک کہانی پر مسلمانوں نے بہت مرثیے کہے، مگر غالباً سبق کوئی حاصل نہیں کیا۔ ایسا ہوتا تو یہ کتاب یہاں ختم ہو جاتی۔ بہرحال قدرت نے مسلمانوں کو کچھ صدیوں کی مہلت عثمانیوں کی عظیم الشان حکومت کی شکل میں دے دی، مگر اس کی کوئی تفصیل کتاب میں درج نہیں، کیونکہ اس کا موضوع مسلمانوں کا عروج نہیں، بلکہ زوال ہے۔ زوال کی اس داستان کا اگلا عنوان مصنف نے روس کے مسلمانوں کے حوالے سے باندھا ہے اور اگلے دو ابواب میں وسط ایشیائی مسلمانوں کی اس داستان کا احاطہ کیا ہے جس کے بعد وہ روسی اژدہے کے چنگل میں پھنس گئے۔ یہ حصہ اس اعتبار سے بڑا اہم ہے کہ ہمارے ہاں بالعموم اس خطے کے مسلمانوں کے زوال پر بہت زیادہ نہیں لکھا جاتا۔

مصنف نے کتاب کے اگلے پانچ ابواب میں ہند میں مغلیہ سلطنت، اس کے زوال اور اس دوران میں مسلمانوں پر ٹوٹنے والے مصائب وآلام کی داستان رقم کی ہے۔ نادر شاہ کے قتل عام سے لے کر جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر توڑے جانے والے مظالم کی یہ داستان انتہائی دردناک ہے۔ یہ کہانی اس بات کا اظہار بھی ہے کہ قانون قدرت بدلا نہیں کرتے۔ قرآن جب یہ کہتا ہے کہ اگر تم اپنی حرکتیں دہراؤ گے تو ہم بھی اپنی سزا دہرائیں گے۔ (الاسراء ۱۷: ۸) تو یہ تاریخ اس کی سچائی کی سب سے بڑی گواہ بن جاتی ہے۔

اس کے بعد عثمانیہ سلطنت کی داستان زوال ہے۔ چھ سو سال تک دنیا کے تین براعظموں پر اسلام کا پرچم لہرانے کے بعد عثمانی حکومت ختم ہوگئی۔ مصنف نے کمال وزوال کی اس داستان کو ایک باب میں نمٹایا ہے۔ کتاب کا آخری موضوع مملکت

خداداد پاکستان کے باسیوں پر پڑنے والے اس خدائی کوڑے سے متعلق ہے جسے مصنف نے بہت جزئی تفصیلات کے ساتھ چار ابواب میں بیان کیا ہے۔ یہاں بھی مصنف نے سارا پس منظر و پیش منظر، حالات واقعات اسباب ونتائج دقیقہ رسی کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

یہ کتاب کئی اعتبار سے بہت مفید اور معلوماتی کتاب ہے۔ ہمارے ہاں بالعموم ماضی پر فخر کی روایت ہے یا مرثیہ گوئی کی۔ واقعات کے تحلیل و تجزیہ کا طریقہ ہمارے ہاں رائج نہیں ہے۔ اس کتاب میں یہ کمی دور کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ زوال دوسروں کی سازشوں سے نہیں آتا، بلکہ اپنی کوتاہیوں اور بدعملیوں کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ مصنف نے کتاب میں مختلف مقامات پر زوال کے متعدد اسباب بیان کیے ہیں، مگر ہمارے نزدیک قوموں کے زوال کا اصل سبب اخلاقی انحطاط ہے۔ خود مصنف نے بھی کتاب میں اس بات کا اقرار کیا ہے۔ مثلاً وہ اندلسی مسلمانوں کے زوال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''تباہی یونہی نہیں آیا کرتی۔ مکمل تباہی سے پہلے قوموں کی اخلاقی زندگی ختم ہو جایا کرتی ہے۔'' (۱۳۸)

اسی طرح وہ سقوط بغداد کے ضمن میں خانہ جنگی اور فرقہ پرستی کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

> ''لیکن یہ حقیقت نفس الامری اپنی جگہ ہے کہ یہ آویزش اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعات غم اس وقت کی مسلمان امت کے وجود میں اخلاقی سرطان کی نشان دہی کرتے ہیں۔'' (۲۶)

اس آئینے میں ہم امت مسلمہ اور اہل پاکستان دونوں کا مرض وعلاج دیکھ سکتے ہیں۔ لوگ عام طور پر اس حقیقت کا ادراک اس بنا پر نہیں کر پاتے کہ بالعموم تباہی کے ہر واقعہ کا کوئی نہ کوئی فوری اور ظاہری سبب بھی ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ اگر فلاں واقعہ نہ ہوتا یا فلاں شخص اس طرح کے رویے کا مظاہرہ نہ کرتا تو یہ سانحہ نہ ہوتا۔ یہ خیال درست نہیں۔ جن انسانی معاشروں کو اخلاقی زوال کی دیمک لگ جائے تو ان کی تباہی مقدر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مسئلہ صرف دیر سویر کا ہوتا ہے جس کا تعلق انسانوں کے بارے میں خدا کی وسیع تر حکمت سے ہوتا ہے۔ جب خدا کا اذن ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی فوری محرک رونما ہو جاتا ہے اور معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ عام آدمی اپنی کوتاہ بینی کی بنا پر تباہی کی تمام ذمہ داری اسی فوری محرک پر ڈال دیتے ہیں۔

اس کتاب سے قدرت کے بارے میں ایک منفی تاثر بھی زائل ہوتا ہے جو تاریخ کے ایسے جاں گسل واقعات پڑھ کر ایک قاری کے ذہن میں بعض اوقات پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ قدرت شاید بڑی ظالم ہے جو ایسے سفاک لوگوں کو معصوم عوام پر مسلط کر دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے درست مطالعہ سے خدا کا وہ قانون واضح ہوتا ہے جو اس نے سورۂ انفال (۸) کی آیت ۲۵ میں بیان کیا ہے کہ ڈرو اس فتنے سے جو صرف گنہ گاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔ اصل میں ہم لوگ حکمرانوں پر ساری ذمہ داری ڈال کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ عوام الناس ہوتے ہیں جو اپنی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو جب

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فراموش کرتے ہیں تو قدرت سزا کے طور پر ظالموں کو ان پر مسلط کر دیتی ہے۔ یہ کتاب خدا کے اس قانون کی تفصیل کرتی ہے۔

کتاب کی ایک بڑی خوبی اس کی جامعیت ہے۔ مصنف نے تمام موقعوں پر زوال کی داستان بیان کرنے سے قبل مختصراً اس علاقے میں مسلمانوں کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے جس سے قاری کی نگاہ میں پورا پس منظر آ جاتا ہے۔ کتاب کا اسلوب بہت سادہ اور رواں ہے اور ایک عام ذہنی سطح کا قاری بھی بڑی روانی سے یہ کتاب پڑھتا چلا جاتا ہے۔ البتہ مصنف بعض جگہ بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیت میں کسی مصنف کا قلم غیر جانب دار اور حقیقت پسند نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح کتاب میں ایک نقص یہ ہے کہ مصنف نے مسلمانوں کی مجموعی تاریخ بیان کرتے وقت بڑی مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ جس سے قاری کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں کوئی خیر ہی نہیں گزرا، بلکہ ہر حال میں وہ منفی رویے کے حامل رہے ہیں۔ یہ تاثر قطعاً درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ دنیا کی درخشاں ترین تاریخ ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں زوال کے دو ہی ادوار آئے ہیں۔ ایک قرون وسطیٰ کا دور اور دوسرا موجودہ دور۔ ان کو چھوڑ کر تقریباً ہزار سال تک مسلمانوں نے سیاست میں ہی نہیں، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں اعلیٰ ترین روایات کو فروغ دیا ہے۔ مسلمان حکمرانوں کا موازنہ ہم ہمیشہ خلفاے راشدین سے کرتے ہیں، اس لیے ہمیں اچھے محسوس نہیں ہوتے، ورنہ اپنے ہم عصر غیر مسلم حکمرانوں کے اعتبار سے وہ بہت بہتر تھے۔

مصنف نے جتنی عرق ریزی سے کتاب لکھی ہے، وہ قابل قدر ہے، لیکن انھوں نے تاریخوں کے بیان میں کچھ کمی کی ہے۔ ایک تاریخی کتاب میں سنین کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ اگر فراہم نہ کی جائیں تو قاری زمانے کی تعیین میں واضح نہیں ہو پاتا۔ کتاب کی قیمت بھی ہمارے نزدیک کچھ زیادہ ہے۔ اس دور میں جب کہ لوگ کتاب پڑھنے سے ویسے ہی بھاگتے ہیں، زیادہ قیمت کتب بینی کی راہ میں ایک اضافی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

بہر حال یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک کامیاب کاوش ہے اور اس قابل ہے کہ تاریخی مطالعہ کا شوق اور مسلمانوں کا درد رکھنے والا ہر شخص اس کا مطالعہ کرے۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

— جاوید

O

اٹھ کہ یہ سلسلۂ شام و سحر تازہ کریں عالم نو ہے، ترے قلب و نظر تازہ کریں
اس زمانے کو بھی دیں اور زمانہ کوئی پھر اٹھیں ولولۂ علم و ہنر تازہ کریں
تیری تدبیر سے نومید ہوئی ہے فطرت راستے اور بھی ہیں، رخت سفر تازہ کریں
شعلۂ طور اٹھے آتش فاراں ہو کر پھر تری خاک میں پوشیدہ شرر تازہ کریں
حرف و آہنگ نہ ہوں سوزِ دروں سے خالی
ہر رگِ ساز میں اب خونِ جگر تازہ کریں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معظم صفدر

اشاریہ ماہنامہ ”اشراق“ ۲۰۰۲ء

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآنیات

جنوری	البقرہ (۲:۱۸۳۔۱۸۵)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۵
فروری	〃 (۲:۱۸۶۔۱۸۷)	〃	〃	۷
مارچ	〃 (۲:۱۸۸۔۱۸۹)	〃	〃	۷
اپریل	〃 (۲:۱۹۰۔۱۹۴)	〃	〃	۷
مئی	〃 (۲:۱۹۵۔۱۹۶)	〃	〃	۱۱
جون	〃 (۲:۱۹۷۔۲۰۳)	〃	〃	۷
جولائی	〃 (۲:۲۰۴۔۲۱۴)	〃	〃	۱۹
اگست	〃 (۲:۲۱۵۔۲۱۸)	〃	〃	۱۳
ستمبر	〃 (۲:۲۱۹۔۲۲۱)	〃	〃	۵
اکتوبر	〃 (۲:۲۲۲۔۲۲۳)	〃	〃	۷
نومبر	〃 (۲:۲۲۴۔۲۲۷)	〃	〃	۹
دسمبر	〃 (۲:۲۲۸۔۲۲۹)	〃	〃	۷

معارف نبوی

جنوری	عمل اور تقدیر۔ زنا اور تقدیر	طالب محسن	صفحہ	۹
فروری	دل کا میلان	طالب محسن	صفحہ	۱۱
مارچ	فطرت اور عقیدہ	″	″	۱۱
اپریل	جاگتا خدا	″	″	۱۳
مئی	بھرے ہوئے ہاتھ	″	″	۱۵
جون	مشرکین کے بچوں کا انجام۔ سب سے پہلی مخلوق	″	″	۱۳
جولائی	ذریت آدم۔ دو کتابیں	″	″	۲۵
اگست	تدبیر اور تقدیر۔ تقدیر پر بحث	″	″	۱۷
ستمبر	اخلاص نیت	زاویۂ فراہی	″	۹
	آدم اور ان کی نسل۔ ہدایت کی روشنی	طالب محسن	″	۱۳
اکتوبر	وفد عبدالقیس کے سوالات	زاویۂ فراہی	″	۱۱
	رسول اللہ کی ایک دعا۔ دل کا اضطراب	طالب محسن	″	۲۰
نومبر	دبا، حنتم، نقیر اور مزفت سے ممانعت۔ نشہ آور اشیا سے ممانعت	زاویۂ فراہی	″	۱۳
	تکمیل ایمان۔ مرجئہ اور قدریہ کا انجام	طالب محسن	″	۲۰
دسمبر	اجزاے ایمان	زاویۂ فراہی	″	۱۱
	عذاب دنیوی۔ اہل قدر کے ساتھ عدم تعلق	طالب محسن	″	۱۴

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دین و دانش

جنوری	قانونِ معاشرت (۴)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۱۹
فروری	قانونِ معاشرت (۵)	″	″	۱۷
	سیرت النبی ـــــ چند درخشاں پہلو	محمد بلال	″	۲۱
مارچ	قانونِ معاشرت (۶)	جاوید احمد غامدی	″	۱۵
	کعب بن اشرف کا قتل اور اس کا اخلاقی پہلو	محمد بلال	″	۲۲

اپریل	قانونِ معاشرت (۷)	جاوید احمد غامدی	صفحہ ۲۱
مئی	قانونِ معاشرت (۸)	〃	〃 ۱۹
جون	قانونِ معاشرت (۹)	〃	〃 ۲۱
جولائی	قانونِ معاشرت (۱۰)	جاوید احمد غامدی	〃 ۳۵
اگست	قانونِ معاشرت (۱۱)	〃	〃 ۲۳
ستمبر	قانونِ معاشرت (۱۲)	〃	〃 ۱۹
اکتوبر	قانونِ معاشرت (۱۳)	〃	〃 ۲۷
نومبر	قانونِ معاشرت (۱۴)	〃	〃 ۲۷
دسمبر	قانونِ معاشرت (۱۵)	〃	〃 ۲۱

شذرات

جنوری	کیا اللہ کی نصرت غیر مسلموں کے ساتھ ہے؟	منظور الحسن	صفحہ ۲
فروری	قومی تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ	〃	〃 ۲
مارچ	صدر پاکستان کے اہم اقدامات	〃	〃 ۲
اپریل	مسلمانوں کا مسئلہ	〃	〃 ۲
مئی	قومی تعمیر میں مذہبی قیادت کا کردار	〃	〃 ۲
جون	اہل سیاست اور سیاسی استحکام	〃	〃 ۲
جولائی	سود	جاوید احمد غامدی	〃 ۲
	''ربا'' سے متعلق سپریم کورٹ کے سوالات	معز امجد	〃 ۷
اگست	فوج کی حکمرانی کا اصل محرک	منظور الحسن	〃 ۲
	دور جدید میں اسلام کی شرح و وضاحت	〃	〃 ۸
ستمبر	سانحۂ ''جتوئی'' اور زنا کی سزا	〃	〃 ۲
اکتوبر	استحکام پاکستان	〃	〃 ۲
نومبر	روزے کے اثرات	〃	〃 ۲
دسمبر	لیلۃ القدر	〃	〃 ۲

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یسئلون

جنوری	جہاد وقتال کے شرائط	جاوید احمد غامدی/محمد بلال	صفحہ	۵۹
	قرآن سے تعلق	محمد اسلم نجمی	〃	۶۸
فروری	قصۂ آدم وابلیس	〃	〃	۵۱
مارچ	نبی کریم کا جہاد وقتال	محمد بلال	〃	۵۵
	نبی کریم اور صحابہ کے بعد جہاد کی بنیاد	〃	〃	۵۶
	ہماری دینی ذمہ داری	محمد اسلم نجمی	〃	۵۸
	برے خیالات پر مواخذہ	〃	〃	۶۲
	بداخلاق لوگوں سے تعلقات	〃	〃	۶۳
اپریل	لفظ خلیفہ کا مفہوم	〃	〃	۴۵
مئی	متفرق سوالات	محمد بلال	〃	۳۵
	حیا اور حجاب	جاوید احمد غامدی/وقار ملک	〃	۴۳
	خواب	〃 〃	〃	۴۸
	ہندو مسلم فسادات	〃 〃	〃	۵۳
جون	متفرق سوالات	جاوید احمد غامدی/منظور الحسن	〃	۲۵
اکتوبر	نبی کریم کا جہاد وقتال	محمد بلال	〃	۵۱

نقطۂ نظر

جنوری	علم حدیث میں درایتی نقد کا تصور (۱)	محمد عمار خان ناصر	صفحہ	۲۵
فروری	علم حدیث میں درایتی نقد کا تصور (۲)	〃	〃	۳۳
مارچ	علم حدیث میں درایتی نقد کا تصور (۳)	〃	〃	۲۷
اپریل	شورائی اجتہاد	اختر حسین عزمی	〃	۲۵
مئی	تفسیر کبیر کا تعارف	محمد عمار خان ناصر	〃	۲۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اگست	متعۂ طلاق کے احکام ومسائل	محمد عمار خان ناصر	صفحہ	۳۱
اکتوبر	اہل جاہلیت کے دینی شعائر	حافظ محمد ابراہیم شیخ	〃	۳۹

نقد و نظر

جنوری	مدیر ''اشراق'' کی آرا پر ایک تنقید کا جائزہ	منظور الحسن	صفحہ	۳۳
مارچ	دہشت گردی کی تعریف	محمد مشتاق احمد	〃	۳۷
	دہشت گردی	منظور الحسن	〃	۴۸
ستمبر	مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل پر اعتراضات کا جائزہ	مولانا نسیم ظہیر اصلاحی	〃	۲۳

حالات و وقائع

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

جنوری	امت مسلمہ کے اہم مسائل اور ان کا حل (۱)	ڈاکٹر محمد فاروق خان	صفحہ	۴۱
اپریل	امت مسلمہ کے اہم مسائل اور ان کا حل (۲)	〃	〃	۳۵
مئی	ہاشمیہ سے اسلام آباد تک	خورشید احمد ندیم	〃	۵۷
	کیا فلسطین کو بچایا جا سکتا ہے؟	〃	〃	۶۰
جولائی	قومی تعمیر میں مذہبی قیادت کا کردار (۲)	منظور الحسن	〃	۴۷
اگست	قومی تعمیر میں مذہبی قیادت کا کردار (۳)	〃	〃	۳۹
	نبی کریم کے مخاطب یہود کی سرگزشت	محمد بلال	〃	۴۸
نومبر	سیرت النبی (۱)	محمد اسلم نجمی	〃	۳۱
	مسئلۂ افغانستان (۱)	سلیم صافی	〃	۳۹
دسمبر	سیرت النبی (۲)	محمد اسلم نجمی	〃	۲۵
	مسئلۂ افغانستان (۲)	سلیم صافی	〃	۳۲

تبصرۂ کتب

اپریل	''مغرب سے مشرق تک''	محمد بلال	صفحہ	۵۹

جون	''نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں''	محمد بلال	صفحہ	۴۱
اگست	''جماعت اسلامی کی انتخابی سیاست اور پاکستان کا مستقبل''	خورشید احمد ندیم	؍	۶۵
ستمبر	''احیاے ملت اور دینی جماعتیں''	ریحان احمد یوسفی	؍	۵۷
اکتوبر	''اسلام اور سیاست''	عبدالرؤف	؍	۶۵
نومبر	''تحریک مجاہدین، جنگ بالاکوٹ کے بعد''	؍	؍	۶۵
دسمبر	''سقوط ڈھاکہ سے سقوط بغداد تک''	ریحان احمد یوسفی	؍	۵۷

اصلاح و دعوت

فروری	سفلی علوم	محمد رفیع مفتی	صفحہ	۵۷
	خدا کی بندگی	محمد اسلم نجمی	؍	۶۰
	پیغمبر کی بیعت	؍	؍	۶۲
	احساس زیاں	خورشید احمد ندیم	؍	۶۴
اپریل	مجلس نبوی کے آداب	محمد رفیع مفتی	؍	۴۹
	خدا سے دعا	محمد اسلم نجمی	؍	۵۱
	نبی کریم کا عورتوں سے خطاب	؍	؍	۵۲
	انفاق	؍	؍	۵۴
	خدمت خلق	معاذ احسن غامدی	؍	۵۶
مئی	متفرق مضامین	محمد اسلم نجمی	؍	۶۳
	نماز میں خشوع و خضوع	کاشف علی خان شیروانی	؍	۶۸
	جنت	معاذ احسن غامدی	؍	۶۹
جون	متفرق مضامین	محمد اسلم نجمی، طالب محسن وسیم اختر مفتی، ریحان احمد یوسفی، کاشف علی خان شیروانی	؍	۳۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جولائی	متفرق مضامین	محمد اسلم نجمی، طالب محسن ساجد حمید، وسیم اختر مفتی	صفحہ	۳۵
اگست	متفرق مضامین	مولانا وحید الدین خان، محمد اسلم نجمی، طالب محسن، ریحان احمد یوسفی	〃	۵۵
ستمبر	متفرق مضامین	محمد اسلم نجمی، طالب محسن، ساجد حمید، سلیم صافی، محمد وسیم اختر مفتی	〃	۴۵
اکتوبر	متفرق مضامین	مولانا امین احسن اصلاحی منظور الحسن، ساجد حمید، محمد اسلم نجمی، محمد وسیم اختر مفتی	〃	۵۵
نومبر	متفرق مضامین	ریحان احمد یوسفی، محمد بلال، ڈاکٹر وسیم اختر مفتی	〃	۵۵
دسمبر	متفرق مضامین	محمد اسلم نجمی، وسیم اختر مفتی، صدیق شاہ بخاری	〃	۵۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ادبیات

جنوری	خیال و خامہ (۴)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۷۰
فروری	خیال و خامہ (۵)	〃	〃	۶۷
مارچ	خیال و خامہ (۶)	〃	〃	۶۵
اپریل	غزل	〃	〃	۶۹
مئی	غزل	〃	〃	۷۱
جون	غزل	〃	〃	۶۹
جولائی	غزل	〃	〃	۶۹

اگست	عشرتِ دوام	جاوید احمد غامدی	صفحہ ۷۰
ستمبر	غزل	〃	〃 ۶۹
اکتوبر	غزل	〃	〃 ۷۱
نومبر	غزل	〃	〃 ۶۹
دسمبر	غزل	〃	〃 ۶۳

اشاریہ

دسمبر	اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۰۲ء	معظم صفدر	صفحہ ۶۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com